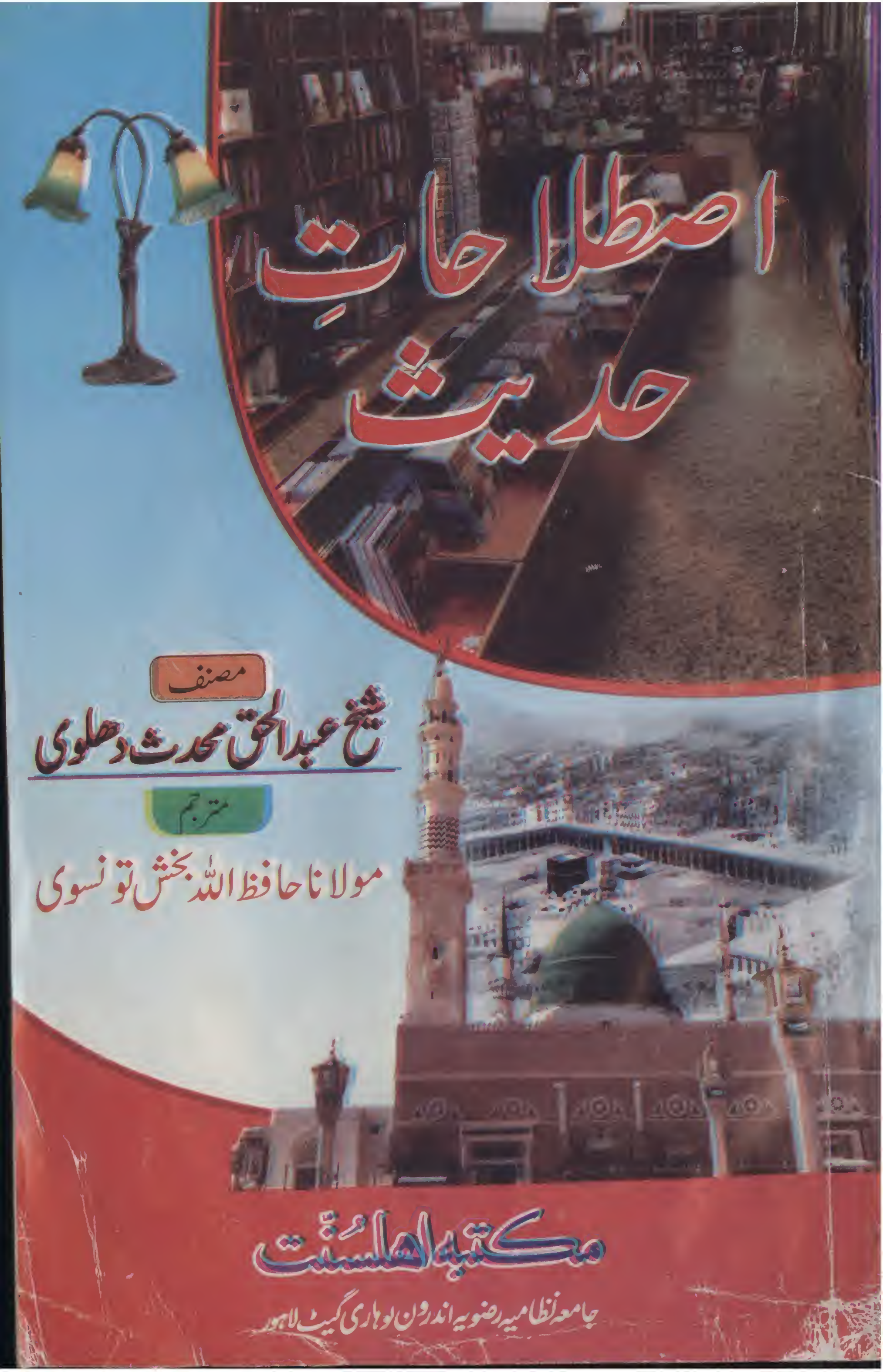

اصطلاحاتِ حدیث

مصنف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مترجم

مولانا حافظ اللہ بخش تونسوی

مکتبہ اہلسنّت

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

هدیہ مبارکہ

الی العلامۃ الحافظ محمد ریاض القصوری حفظہ اللہ

نائب الرئیس بالجامعۃ الاسلامیہ لاهور

محمد اللہ بخش

26-3-2014

اصول واقسامِ حدیث پر نہایت جامع کتاب

تشریحات التونسوی
علیٰ مقدمة الدهلوی

(شرح مقدمہ مشکوٰۃ)

مترجم وشارح

علامہ اللہ بخش تونسوی

مدرّس جامعہ اسلامیہ، لاہور

ناشر: مکتبہ اہلسنّت

جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ لاہور

مکہ سنٹر، دوکان نمبر 3 بیسمنٹ، لوئر مال روڈ نزد تھانہ لوئر مال، لاہور

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب ...... شرح مقدمہ مشکوٰۃ

تصنیف ...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ

مترجم وشارح ...... علامہ اللہ بخش تونسوی

کمپوزنگ ...... حافظ محمد کاشف جمیل (0313-4311239)

تاریخ اشاعت ...... ربیع الاوّل 1434ھ / جنوری 2014ء

تعداد ...... ایک ہزار

ہدیہ ......

ناشر ...... مکتبہ اہلسنّت جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ملنے کے پتے:

- ☆ مکتبہ اہلسنّت جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور
- ☆ مکتبہ اہلسنّت، مکہ سنٹر، دوکان نمبر 3 بیسمنٹ، لوئر مال روڈ نزد تھانہ لوئر مال، لاہور
- ☆ مکتبہ قادریہ۔ دربار مارکیٹ۔ لاہور
- ☆ مکتبہ شمس وقمر، جامعہ حنفیہ غوثیہ، بھاٹی چوک لاہور
- ☆ نظامیہ کتاب گھر، زبیدہ سنٹر، اردو بازار لاہور
- ☆ رضا بک شاپ، فوارہ چوک نزد بی ڈویژن تھانہ گجرات

الاهداء

میں اپنی اس حقیر کاوش کو

برکتہ الرسول ﷺ فی دیار الہند شیخ محقق

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

خواجہ خواجگاں حضور سیدی

خواجہ شاہ سلیمان چشتی تونسوی رحمہ اللہ

جامع اشتات العلوم

علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی چشتی رحمہ اللہ

میرے پیرومرشد شیخ الحدیث والتفسیر

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ

ان سب کی خدمت میں پیش کرنیکی سعادت حاصل کررہاہوں۔

گر قبول افتدز ہے عزوشرف

العبد الاحقر

محمد اللہ بخش تونسوی

الانتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے
والدین اور جمیع اساتذہ کرام کی طرف
منسوب کرتا ہوں۔

جن کے فیضانِ نظر اور حسن تربیت
نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں یہ مساعی
حقیرانہ پیش کر سکا۔

العبد الاحقر

محمد اللہ بخش تونسوی

تقریظ جمیل:

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا

مفتی محمد صدیق ہزاروی

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل و شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن و حدیث اسلامی احکام کے دو بنیادی ماخذ ہیں اور دونوں کا وحی سے تعلق ہے قرآن مجید وحی جلی اور وحی متلو ہے جبکہ حدیث وحی خفی اور وحی غیر متلو ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادث نبویہ کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا قرآن مجید کی حفاظت کے لئے خود خالق کائنات نے ارشاد فرمایا:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون۔

بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن مجید) اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اور احادیثِ مبارکہ اپنے آغاز اور مورد کے اعتبار سے باطل سے پاک قرار دی گئیں اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو جو احادیث مبارکہ لکھا کرتے تھے فرمایا:

اللہ کی قسم اس دہن مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

البتہ راویوں کے اعتبار سے احادیث کی چھان بین لازمی تھی، جس کے لئے علماء امت (جزاھم اللہ خیرا) نے قوانین وضع فرمائے، جن کو اصولِ حدیث کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اسماء الرجال کا فن بھی وجود میں آیا، تا کہ احادیث مبارکہ میں صحیح وسقیم کے اعتبار سے امتیاز ہو سکے اس سلسلے میں متعدد بلکہ بے شمار کتب تصنیف ہو چکی ہیں جن میں چھوٹی بڑی دونوں قسم کی کتب موجود ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح نہایت جامع اور مختصر ہے اور اسے مشکوٰۃ شریف کے شروع میں لانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ جب طالب علم حدیث کے میدان میں قدم رکھے تو اسے یہ اصطلاحات یاد کروائی جائیں۔

درس نظامی کے طلباء کے لئے اس کے ترجمہ کی چنداں ضرورت نہیں لیکن طالبات اور عام مسلمانوں کے لئے یہ ترجمہ ضروری تھا، فاضل نوجوان حضرت مولانا اللہ بخش تونسوی سلمہ اللہ ایک زیرک داناور متحرک نوجوان ہیں جو حال ہی میں درس نظامی اور دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد سند الفراغ حاصل کر چکے ہیں، ان کا یہ اقدام تصنیف وتالیف اور ترجمہ کی دنیا میں پہلا قدم ہے۔ (اس کتاب مستطاب کو اسی نظر سے دیکھا جائے) لیکن ماشاء اللہ موصوف نے نہایت اچھے انداز میں ترجمہ کیا ہے، اگرچہ بہتر سے بہترین کی طرف رواں دواں رہنے سے ہی پختگی آتی ہے۔

امید ہے اگر موصوف مترجم نے اس میدان میں اپنا سفر جاری رکھا تو مستقبل میں اہل سنت کو اس میدان میں ایک اور قیمتی موتی حاصل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اللہ بخش تونسوی زیدمجدہ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس کاوش کو مقبول ومفید بنائے۔ آمین ثم آمین

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری

استاذ الحدیث جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش لاہور

27 شعبان المعظم 1434ھ / 7 جولائی 2013ء

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ۔

اَمّا بعد

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن وسنت ہی مصادر شرعیہ ہیں انہیں سے مسائل شرعیہ اور احکام فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں۔ اور علماء حدیث اور فقہاء شریعت نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات کو سنت (حدیث) کہتے ہیں اور جب قرآنِ کریم آپ ﷺ پر نازل کیا گیا تا کہ آپ لوگوں تک اس کو پہنچائیں اور اس کو لوگوں کیلئے بیان کریں کیونکہ اس کے احکام وقواعد، بیان اور کیفیت عملیہ اور تطبیقیہ پر موقوف تھے کیونکہ قضایا اجتماعیہ بکثرت موجود تھے اور کچھ قضایا ایسے بھی تھے جن کے متعلق قرآن نازل نہیں ہوا، تو رسول اللہ ﷺ ان قضایا کو یا تو وحیِ الٰہی کے ذریعے حل فرماتے یا اس میں اجتہاد فرماتے تو اللہ تعالیٰ اس اجتہاد کو برقرار رکھتا اور وحی متلو کا نزول نہ فرماتا۔ اور رسول اعظم ﷺ اپنی امت کیلئے مثلِ اعلیٰ کو ترجیح دیتے تھے اور جو افعال آپ ﷺ سے صادر ہوئے ہیں ان کو بھی ایسی شریعت سمجھا جاتا ہے جس کا تمسک ہر مسلم پر واجب ہے اور سنت شریفہ کے دراست کے دوران چھان بین اور غور وخوض کرنے والے مسلم کیلئے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ تشریع اسلامی اور معرفتِ احکام میں سنت نبویہ (احادیث نبویہ) کی بہت زیادہ اہمیت ہے اسی خاصیت و اہمیت کی وجہ سے **استنباطِ احکام کیلئے سنت نبویہ (احادیث نبویہ) مسلمانوں کے ہاں مصدرِ ثانی کی**

حیثیت رکھتی ہے بلکہ اس بارے میں بہت ساری آیات وارد ہوئی ہیں جو سنت نبویہ (احادیث نبویہ) کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا (سورۃ الحشر)

ترجمہ: اور جو کچھ تمھیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو۔

اور اسی جانب دوسری آیت میں یوں تصریحاً وضاحت ہے کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے چاہے وہ آپ کے اقوال ہوں، افعال ہوں یا تقریرات ان کو وحی ہی سمجھا جائے۔

ارشادِ ربانی ہے

وما ینطق عن الھویٰ ٥ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔

(سورۃ النجم)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے۔

اور سنتِ نبویہ ﷺ کی سب سے زیادہ اہمیت وخصوصیت یہ ہے کہ یہ اجمال قرآنی کو مفصل طور پر بیان کرتی ہے مثلاً کیفیتِ صلاۃ، صوم اور ان کے اوقات وشروط اور اسی طرح نصابِ زکوۃ، احکامِ حج، شعائر اللہ کو خوب وضاحت اور مدلل بیان کے ساتھ واضح کرتی ہے، اور اسکے علاوہ دیگر معاملات، عبادات، احکام جو قرآن پاک میں مجملاً وارد ہوئے ہیں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام نے ان کو بیانِ شافی کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور یاد رہے علم حدیث اور علمِ اصولِ حدیث پڑھنا، پڑھانا، محفوظ رکھنا یہ صرف اِس اُمتِ محمدیہ ہی کا خاصہ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ (سورۃ النحل)

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کرو وہ جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

لیکن آج کے اس پرفتن دور میں جس میں علوم شرعیہ سے بُعد اور علوم دنیویہ سے قُرب اختیار کیا جارہا ہے بہت کم ہی ایسے لوگ ہیں جو علمِ اصولِ حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں، اور علم الجرح والتعدیل تو ہمارے ہاں بالکل مفقود ہوتا جارہا ہے، نہیں بلکہ ہو گیا ہے اور یہ وہ علم شریف ہے جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا "علم اسماء الرجال نصف علم الحدیث"، ذرا سوچیے ہم اپنے مدارس میں اس علم کی کتنی اور کس قدر تعلیم دے رہے ہیں، واللہ مدارس کے کئی فارغ التحصیل علماء کرام سے میری ملاقات ہوئی جن میں سے اکثر اس علم سے نابلد اور ناواقف تھے۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے، حدیث پاک کی جو کتاب پڑھائی جارہی ہے متن کی طرف توجہ کبھی کبھار ہو ہی جاتی ہے مگر سند کے رجال کیطرف بالکل قطعاً توجہ نہیں دی جاتی، قسم بخدا اگر سند کے رجال کیطرف توجہ ہوتی اور احوال رجال اور ان کے تحصیل علم کے اوقات اور تحصیل علم کے مقامات اور دورانِ تعلیم اِنکو لاحق ہونے والی مصیبتیں، صعوبتیں اور پریشانیاں اگر طلباء کو بتائی جاتیں تو کوئی طالبعلم آج دینی علوم کو چھوڑ کر دنیاوی علوم کیطرف راغب نہ ہوتا، معذرت کے ساتھ بڑے افسوس سے مجھے یہ کہنا پڑا ہے کہ ہمارے دینی طلباء کی نہ تو علم صرف وعلم نحو کی طرف توجہ ہے جو علوم وفنون کی جڑ اور اصل ہیں، اور نہ ہی علمِ حدیث وعلمِ اصول حدیث کی طرف توجہ ہے جو مفاہیم ومطالب

قرآنیہ کیلئے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں، اور نہ ہی فقہ واصولِ فقہ کی طرف توجہ ہے، جو قرآن وحدیث کا نچوڑ ہیں اور نہ ہی علم بلاغت کیطرف توجہ ہے جو رموز واسرارِ قرآنی سمجھنے کیلئے جزو لازم کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ ہی تفسیر قرآن واصول تفسیر کیطرف توجہ ہے، جو اصل قرآن اور مغزِ قرآن کی حیثیت کے حامل ہیں اور یہ سب وہ علوم ہیں جنہیں محفوظ کرتے کرتے ہمارے اسلاف نے زندگیاں گزار دیں، کسی بزرگ نے ان فنون میں سے کسی فن پر اگر متن لکھا ہے تو دوسرے نے اس کی شرح کردی ہے اور تیسرے نے اس کو مختصر کردیا ہے ایک، ایک فن پر سینکڑوں کتب الحمدللہ ہمارے اسلاف نے تحریر فرمائی ہیں۔

ذرا اندازہ لگایئے! علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ "ارشاد الحیارٰی فی تحذیر المسلمین من مدارس النصارٰی" میں رقم طراز ہیں کہ "حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی ایک ہزار جلد میں تفسیر لکھی ہے اور مصر کے کتب خانہ میں میں نے خود دیکھی ہے۔" میں کہتا ہوں اسی طرح علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا دایاں ہاتھ مبارک آخر عمر میں کتابیں لکھ لکھ کر شل ہو گیا تھا، علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ علیہ دونوں ہاتھوں سے کتابیں لکھا کرتے تھے اور شوق دیکھیے فرماتے ہیں: "اگر شرع شریف میں پاؤں سے لکھنا جائز ہوتا تو فقیر کے دونوں پاؤں بھی حرکت کرتے۔" آج دینی علوم کو ذریعۂ دنیا بنایا جارہا ہے اور اس کے ذریعے دنیا کے جاہ و جلال اور مناصب کو حاصل کیا جارہا ہے جس سے ہمارے اسلاف کوسوں دور رہے، شریعت کے پہلے امام حضرت سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو عہدہ قضاء پر مجبور کیا گیا مگر آپ اپنے انکار پر ڈٹے رہے۔

(کشف المحجوب للسید داتا علی الہجویری رحمہ اللہ ص ۱۴۱ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ لاہور)

حضرت سیدنا امام ابوبکر خصاف حنفی رحمتہ اللہ علیہ کو جب بادشاہ وقت نے

منصب قضاء سنبھالنے کیلئے کہا تو آپنے انکار کر دیا اور واپس جب گھر پہنچے تو اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے 10000 دس ہزار صدقہ کیا۔

(تاج التراجم للعلامۃ قاسم بن قطلو بغا الحنفی رحمہ اللہ مطبوعہ دمشق)

الختصر دین کو دنیا کا ذریعہ بنانا بہت قبیح ہے، اور احادیث میں اسکی مذمت وارد ہے، یہ بھی میں عرض کروں گا کہ جو علماء دین متین صحیح اور پختہ عالم ہونے کیساتھ ساتھ واعظ اور مقرر بھی ہیں وہ وعظ کو تھوڑا وقت دیں اور تدریس و تصنیف کیطرف توجہ ذرا زیادہ دیں کیونکہ بقول مرشدنا علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ ''تحریر کے اثرات بڑی دور تک پھیلتے ہیں بنسبت تقریر کے اثرات کے''

اسی طرح علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ ''النھایہ فی غریب الحدیث'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> غریب الحدیث پر بہت کم لوگوں نے کام کیا ہے ہمارے زمانے میں ایک بہت بڑے عالم ہیں جن کا اسم گرامی ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی ہے، بہت متبحر عالم ہیں، میں نے سنا ہے انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے اور یہ اگر تصنیف کرنا چاہیں تو بہت عمدہ اور نفیس کتب تصنیف کر سکتے ہیں مگر اب ان پر وعظ و تقریر غالب آچکی ہے یہ تصنیف جو اصل مقصد ہے اسکی طرف توجہ کم دیتے ہیں اور تقریر و تبلیغ، وعظ کی طرف توجہ زیادہ دیتے ہیں۔

(النھایہ فی غریب الحدیث للعلامہ ابن اثیر الجزری جلد ا صفحہ ۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

معلوم ہوا علامہ ابن الجوزی کا یہ عمل علامہ ابن اثیر الجزری کو پسند نہیں تھا اور یہ بھی کہ ہمارے اسلاف تقریر کی بنسبت تحریر و تصنیف کو زیادہ محبوب سمجھتے تھے۔

ثم اعلم: علامہ ابن الجوزی نے جسطرح فن خطابت کا حق ادا کیا ہے ایسے

ہی فن تصنیف کا بھی عمدہ اور بہترین حق ادا کیا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ہر فن پر محدث ابن الجوزی کی تصنیف موجود ہیں۔ ومن شكّ فليطالع "سير اعلام النبلاء للذهبی"

بات ذرا طویل ہوگئی ہے میں ان ہی الفاظ پر اپنی تحریر کا اختتام کرتا ہوں۔

والحمدلله رب العالمين - وما توفيقی الا بالله

نوٹ: حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ کا یہ مقدمہ آپ کی تصنیف لطیف لمعات التنقيح فی شرح مشكوة المصابيح کا ہے اور لمعات التنقيح مشکوٰۃ شریف کی شرح ہے، اولاً امام بغوی رحمہ اللہ نے "مصابيح السنه" کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی پھر صاحب مشکوٰۃ نے اسکو مہذب و منقح کر کے اور اس پر کچھ اضافات کر کے مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا، ان تینوں بزرگوں کے مختصر حالات زیبِ قرطاس کر دیے جائیں لیکن صاحب مشکوٰۃ المصابیح کے حالات دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے رہ گئے ہیں۔ فنقول و بالله التوفيق

امام بغوی

شیخ الاسلام محی السنۃ ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد بن فراء بغوی شافعی رحمہ اللہ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث بھی تھے اور مفسر بھی اور کئی کتب کے مصنف ہیں مثلاً شرح السنه، معالم التنزيل، كتاب التهذيب، الجمع بين صحيحين اور مصابيح السنه،

مؤخرالذکر کتاب میں آپ نے محذوفۃ الاسانید احادیث ذکر کی ہیں اور پھر ان احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

ا۔ صحاح: اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن کو بخاری و مسلم دونوں نے ذکر کیا ہے یا ان میں سے کسی ایک نے

۲۔ حسان: اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن کو اصحاب سنن نے ذکر کیا ہے

اور یہ کتاب کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

علامہ طیبی کے شاگردِ رشید علامہ خطیب تبریزی رحمہ اللہ نے اس کتاب پر کچھ اضافہ کیا اور اس کو مہذب کیا اور "مشکوٰۃ المصابیح" اس کا نام رکھا۔ علامہ امام ذہبی رحمہ اللہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: الشیخ الامام العلامة القدوة شیخ الاسلام المفسر صاحب التصانیف (الیٰ ان قال) وکان البغوی یلقب بمحی السنة و برکن الدین وکان سیداً اماماً عالماً علامة زاھداً قانعاً بالیسیر وله القدم الراسخ فی التفسیر و الباع المدید فی الفقه، آپ خراسان کے شہر مرو ۵۱۶ھ شوال کے مہینہ میں فوت ہوئے اور اپنے استاذ قاضی حسین رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۴۳۹ رقم الترجمہ ۲۵۸ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

مصنفِ رسالہ ہذا حضرت علامہ

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ کا اسم گرامی "محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ" ہے آپ کی کنیت ابوالمجد تھی، آپ کے آباؤ اجداد اصل میں بخارا کے رہنے والے تھے جو دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے اور آپ شہر دہلی میں ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے، اپنے زمانہ کے فقیہ، محقق، محدث، مدقق، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مؤرخ اضبط، فخر مسلمانانِ برصغیر (پاک و ہند) اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے، آپ ہی وہ شیخ الکامل ہیں جنہوں نے عرب سے علمِ حدیث لاکر اس ملک کو مالا مال کیا اور نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں بھر کو منور فرمایا، آپ کے فن حدیث میں آپکی تصنیفات و تنقیدات

سے کسی موافق ومخالف کو اصلاً شک وشبہ نہیں ہو سکتا، اُن سے ہمیں سروکار نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چشمِ بینا سے بے بہرہ کر دیا ہے یا آنکھوں میں تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے۔ اخبار الاخیار کے خاتمہ میں شیخ رحمہ اللہ نے اپنا حال اسطرح لکھا ہے کہ!

ترجمہ: میں تین، چار سال کا بچہ تھا کہ والد ماجد نے اہلِ حقیقت کی باتیں اس فقیر کے کامِ جان میں ڈالیں اور تربیتِ باطنی کو ضمیمہ شفقتِ ظاہری فرمایا، ان میں سے کچھ باتیں جو اس وقت میرے گوشِ ہوش میں ڈالی گئیں تھیں اب تک خزانۂ خیال میں یاد ہیں جو ندرت وغرابت سے خالی نہیں ہیں اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جس وقت میرا دودھ چھڑایا گیا تھا اس وقت میری عمر دوڈھائی سال کی تھی اس وقت کی بات ایسی یاد ہے کہ گویا کل کی بات ہے، والد ماجد قرآن مجید سبق، سبق لکھتے تھے اور میں پڑھا کرتا تھا، یہاں تک کہ دو تین مہینہ میں تمام قرآن شریف پڑھ لیا اور بارہ سال کا تھا کہ شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھتا تھا اور پندرھویں سال میں مختصر اور مطول ختم کی بعدازاں حفظِ قرآن کیا، سات آٹھ سال تک فقہاء ماوراء النہر کے درس میں رہا وہ فرمایا کرتے تھے ''ہم نے تجھ سے فائدہ اٹھایا ہے ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے'' بچپن سے ہی میں نہیں جانتا کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے اور خواب وآرام کیا چیز ہے، تحصیلِ علم کے شوق میں کبھی وقت پر کھانا کھایا نہ وقت پر سویا، موسمِ گرما ہو یا سرما دو میل کی مسافت طے کر کے دہلی میں روزانہ مدرسے جایا کرتا تھا اور چراغ کی روشنی میں روزانہ ایک جزء لکھا کرتا تھا مطالعہ کتب وغیرہ کے انہماک میں کئی مرتبہ میری دستار اور میرے بالوں میں چراغ سے آگ لگی اور مجھے اُس وقت پتہ چلتا جب حرارت دماغ کو محسوس ہوتی اور میرے والد ماجد نے مجھے نصیحت و وصیت کی تھی کہ ''خبردار خشک مُلا نہ بننا تا دم عشق ومحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار رہنا'' الحمدللہ میں نے اس پر پورا پورا عمل کیا ہے۔
اھ مُلخصاً

آپ کی تاریخ وفات ۱۰۵۲ھ ہے۔ آپ کا مزار حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ مہرولی واقع دہلی میں حوضِ شمسی کے کنارے پر واقع ہے، آپ کی مشہور تصنیفات یہ ہیں،

۱۔ شرح سفر السعادہ

۲۔ اخبار الاخیار

۳۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب

۴۔ جامع البرکات

۵۔ تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف

۶۔ شرح فتوح الغیب

۷۔ مدارج النبوۃ و مراتب الفتوۃ

۸۔ اشعۃ اللمعات (شرح مشکوٰۃ فارسی زبان میں شرح ہے)

۹۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح
(عربی زبان میں مشکوٰۃ شریف کی شرح ہے)

افسوس ہے کہ بعض حضرات دونوں کتابوں میں فرق نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ایک ہی کتاب ہے مگر یہ دونوں الگ الگ شروح ہیں، علامہ طیبی رحمہ اللہ کی شرح مشکوٰۃ کے طرز پر شیخ نے یہ شرح لکھی ہے، شروع میں مقدمہ ہے اصطلاحات حدیثیہ میں بعد ازاں احادیث کی شرح شروع فرمائی ہے اور اس مقدمہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی حتیٰ کہ یہ داخلِ نصاب درسِ نظامی ہوگیا ہے، یہ مقدمہ بہت ہی عمدہ اور جامع مانع مفید ترین ہے، اور حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کے حدیث اور اصول حدیث پر مہارت تامہ کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کا ترجمہ مع مختصر حواشی یہ راقم غفرلہ بایمائے مولانا حاجی امتیاز صاحب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

میں نے اس ترجمہ کا نام ''تشریحات التونسوی علیٰ مقدمۃ الدہلوی'' رکھا ہے۔

آخر میں ناشکری ہوگی اگر میں ان لوگوں کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے مفید مشوروں نے یا انتھک کوششوں نے یا شب وروز کی دعاؤں نے مجھے اس قابل بنایا، میں شکرگزار ہوں اپنے تمام اساتذہ کا بالخصوص حضرت علامہ جامع المعقول والمنقول الحاج حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب، علامہ مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری صاحب، علامہ ڈاکٹر فضل حنان سعیدی صاحب، علامہ حافظ خادم حسین رضوی صاحب، علامہ مولینا محمد طاہر تبسم قادری صاحب، مولینا دل محمد چشتی صاحب، مولینا قاری احمد رضا سیالوی صاحب، مولینا مدد علی قادری صاحب، مولینا ریاض اویسی صاحب اور علامہ مولینا غلام رسول نقشبندی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا، اللہ تعالیٰ میرے جملہ اساتذہ کرام کو عمر خضر عطا فرمائے۔

اس کے ساتھ ہی میں شکرگزار ہوں عزیزم مولینا محمد شرافت حسین، مولینا محمد محبوب حسین، حاجی محمد اصغر صاحب خطیب جامع مسجد قبا نواب ٹاؤن، علامہ مولینا حسن صاحب، محترم جناب گلفام نیازی صاحب، محترم جناب محمد مدثر علی، محترم جناب مولینا محمد کاشف جمیل صاحب کا جن کی مکمل کوششوں سے رسالہ ہذا پایہ تکمیل کو پہنچا

اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے اور اس کو میری بخشش کا ذریعہ بنائے، آمین ثم آمین

والحمد للہ رب العلمین۔

العبد الاحقر

محمد اللہ بخش تونسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

یہ مقدمہ ہے علم حدیث (۱) کی بعض اصطلاحات کے بیان میں تطویل و اطناب کے بغیر محض اتنا کہ جو کتاب کی شرح (اس سے مراد حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ہے) میں کفایت کر جائے۔

اعلم: جاننا چاہیے کہ جمہور (۲) محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق نبی ﷺ کے قول، فعل، تقریر پر ہوتا ہے۔

تقریر کا مطلب:

یہ ہے کہ نبی ﷺ کی موجودگی میں کوئی صحابی کوئی بات کہے یا کوئی فعل کرے نبی ﷺ صحابی کے اس قول، فعل پر انکار نہ کریں نہ ہی اس کو اس سے منع کریں بلکہ سکوت فرما کر اس کی بات کو پختہ اور پکا کر دیں۔

اور اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول، فعل، تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے (یعنی ان کے قول، فعل کو بھی حدیث کہا جاتا ہے)۔

(۱) حضرت ملا علی قاری علم حدیث کی تعریف و موضوع و غرض و غایت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: علم الحدیث یعرف به احوال الراوی و المروی من حیث القبول والرد و موضوعه الراوی والمروی من حیث القبول والرد و غایته ما یقبل و ما یرد من ذالك۔ و مسائله ما یذکر فی کتبه من المقاصد ۔۔ فافهم شرح شرح نخبة الفکر لملا علی قاری، ص ۳۴، دارالقلم بیروت

(۲) یہ لفظ جیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے۔ (انظر حاشیہ فصول الحواشی، ص ۵۳)

مرفوع:

وہ حدیث ہے جس کی سند کی انتہاء نبی ﷺ تک ہو۔

موقوف:

اگر انتہاءِ سند صحابی تک ہو تو اس حدیث کو موقوف کہا جاتا ہے۔ جیسے محدثین کہتے ہیں قال ابن عباس (حضرت ابن عباس نے فرمایا) فعل ابن عباس (حضرت ابن عباس نے کوئی فعل کیا) قرر ابن عباس (حضرت عبداللہ ابن عباس کے سامنے کسی نے بات کہی یا کوئی فعل کیا آپ نے اس پر نہ انکار کیا نہ اس کو اس سے روکا بلکہ خاموش ہو کر اس کی بات کو پکا کر دیا)

یا محدثین کبھی یوں بھی کہتے ہیں ''عن ابن عباس موقوفا'' (حضرت عبداللہ ابن عباس سے موقوفاً روایت ہے) یا یوں کہتے ہیں موقوف علی ابن عباس (یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی ان کا اپنا قول و فعل ہے)۔

مقطوع:

اگر سند کی انتہاء تابعی تک ہو تو اس کو مقطوع کہا جاتا ہے۔

بعض محدثین کہتے ہیں کہ حدیث صرف مرفوع و موقوف کے ساتھ خاص ہے جبکہ مقطوع کو حدیث کی بجائے اثر کہا جاتا ہے اور کبھی حدیث مرفوع پر بھی اثر کا اطلاق کیا جاتا ہے (یعنی حدیث مرفوع کو اثر بھی کہتے ہیں) جیسے وہ دعائیں جو نبی ﷺ سے منقول ہوں۔ انہیں الادعیۃ المأثورۃ (یعنی منقول دعائیں) کہا جاتا ہے۔

اور امام طحاوی رحمہ اللہ (۱) نے احادیث نبویہ اور آثار صحابہ پر مشتمل اپنی کتاب

(۱) امام المحدثین فقیہ علامہ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الازدی الطحاوی الحنفی وقت کے عظیم محدث بھی تھے، عظیم فقیہ بھی تھے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی جلالت علمی کو غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے شرح معانی الآثار، شرح مشکل الآثار، احکام القرآن وغیرہ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کا نام شرح معانی الآثار رکھا ہے (تو گویا انہوں نے مرفوع اور موقوف (بلکہ مقطوع) ان سب پر اثر کا اطلاق کیا ہے۔)

امام سخاوی رحمہ اللہ (۱) فرماتے ہیں کہ امام طبری (۲) کی کتاب ہے جس کا نام ''تہذیب الآثار'' ہے۔ حالانکہ اس میں مرفوع احادیث ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) سب آپکی تصنیفات ہیں، 321ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کا اپنے مقلدین پر احسان ہے مگر امام بیہقی کا امام شافعی پر احسان ہے میں کہتا ہوں امام اعظم ابوحنیفہ کا اپنے متبعین و مقلدین پر بہت احسان ہے مگر امام طحاوی کا امام ابوحنیفہ پر احسان ہے شرح معانی الاثار کی اردو میں شرح موجودہ زمانے کے علماء اہلسنت احناف پر قرض ہے۔ اللہ رب العزت ہمارے علماء کو اسکی شرح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱) حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی حافظ ابن حجر العسقلانی کے خاص شاگرد ہیں کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور کئی کتابوں کے شارح بھی ہیں۔ 902ھ میں آپکا وصال ہوا۔

(۲) بعض لوگ اس لفظ کی تصحیح میں لگے رہتے ہیں اور نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ صحیح لفظ طبرانی ہے میں کہتا ہوں کہ صحیح لفظ طبری ہے نہ کہ طبرانی کیونکہ طبری اور بزرگ ہیں طبرانی اور۔ طبرانی ۳۶۰ھ کو فوت ہوئے ہیں۔ ان کی مشہور کتب یہ ہیں المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، المعجم الصغیر وغیرہ اور طبری ۳۱۰ھ کو فوت ہوئے ہیں، ان کی بھی مشہور کتب ہیں مثلاً جامع البیان عن تاویل ای القران المعروف تفسیر طبری اور تہذیب الاثار بھی انکی ہی تصنیف ہے۔ تہذیب الاثار کی پہلے فقط دو جلدیں طبع ہوئی تھیں حیدر آباد دکن سے اب چھ جلدوں میں یہ شائع ہوئی ہے لیکن اب بھی یہ شروع سے ناقص ہے کیونکہ مسند ابوبکر رضی اللہ عنہ مکمل نہیں ہے جبکہ مسند عمر رضی اللہ عنہ بھی شروع سے کچھ ناقص ہے۔ بہت ہی عمدہ اور نفیس کتاب ہے۔ بحمد اللہ یہ کتاب فقیر راقم کے پاس موجود ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں ''ھو کتاب مفرد فی بابہ'' کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب کتاب ہے میں کہتا ہوں یہ کتاب بالکل امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی کتاب شرح معانی الاثار کی طرز پر ہے۔

سوال:

یہ آپ نے کیسے کہہ دیا ہے کہ تہذیب الآثار مرفوع احادیث کے ساتھ خاص ہے حالانکہ اس میں موقوف احادیث بھی بکثرت موجود ہیں۔

جواب:

یہ کتاب اصالۃً مرفوع احادیث ہی کے لئے لکھی گئی ہے لیکن موقوف احادیث تبعاً لائی گئی ہیں اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے نہ کہ تبع کا، لہٰذا اگر موقوف بھی اس میں ضمناً آگئی ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مشہور قول کے مطابق خبر اور حدیث مترادف ہیں (یعنی دونوں کا اطلاق نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

جبکہ کچھ محدثین کے نزدیک ان میں تباین کی نسبت ہے یعنی حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام وتابعین عظام سے مروی ہو۔

اور امراء وسلاطین اور گزشتہ ایام کی حکایات کو خبر کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سنت کے ساتھ مشغلہ رکھنے والوں کو محدث اور تاریخ کے ساتھ مشغلہ رکھنے والوں کو اخباری کہا جاتا ہے۔

حدیث مرفوع کی اقسام

رفع کے اعتبار سے حدیث مرفوع کی ابتداءً دو قسمیں ہیں۔

(۱) مرفوع صریحاً (۲) مرفوع حکماً

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں۔

(۱) مرفوع صریحی قولی (۲) مرفوع صریحی فعلی (۳) مرفوع صریحی تقریری

(۴) مرفوع حکمی قولی (۵) مرفوع حکمی فعلی (۶) مرفوع حکما تقریری

(۱) مرفوع صریحی قولی:

وہ حدیث ہے جس میں قول کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صراحتاً ہو جیسے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کہیں "سمعت رسول الله ﷺ يقول كذا" یا صحابی رضی اللہ عنہ اور غیر صحابی یوں کہیں "قال رسول الله ﷺ" یا کہیں "عن رسول الله ﷺ انه قال كذا"۔

(۲) مرفوع صریحی فعلی:

وہ حدیث ہے جس میں فعل کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صراحتاً ہو جیسے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کہیں "رایت رسول الله ﷺ فعل كذا" یا کہیں "عن رسول الله ﷺ انه فعل كذا"۔

یا غیر صحابی یوں کہیں "عن الصحابی مرفوعاً انه فعل كذا" یا "عن الصحابی رفعه انه فعل كذا" یا "عن غير الصحابی مرفوعا انه فعل كذا" یا عن غير الصحابی رفعه انه فعل كذا"

(۳) مرفوع صریحی تقریری:

وہ حدیث ہے جس میں تقریر (۱) کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صراحۃً ہو جیسے صحابی رضی اللہ عنہ یا غیر صحابی یوں کہیں "فعل فلان بحضرۃ النبی ﷺ کذا" اور صحابی یا غیر صحابی اس فلاں کے اس فعل پر نبی ﷺ کا انکار بھی ذکر نہ کرے۔

(۴) مرفوع حکمی قولی:

وہ حدیث ہے جس میں قول کی نسبت نبی ﷺ کی طرف حکمًا ہو جیسے صحابی کا (اپنی طرف سے) گزرے ہوئے یا آنے والے احوال و واقعات کے بارے میں وہ خبر دینا جو سابقہ کتب سے نقل نہ ہو اور نہ ہی اس خبر میں اجتہاد کی گنجائش ہو مثلاً نبی کریم ﷺ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کے حالات کے بارے میں خبریں دینا یا مستقبل میں رونما ہونے والے بڑے بڑے واقعات یا فتنوں کے بارے میں خبریں دینا یا قیامت کے دن رونما ہونے والے خوفناک مناظر کے بارے میں خبر دینا یا کسی عمل پر مخصوص ثواب یا مخصوص عقاب کے مرتب ہونے کے بارے میں خبر دینا، یہ سب خبریں حکماً مرفوع اس لئے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں بتانے کا اور کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ اس صحابی نے یہ سب خبریں (ضرور) نبی ﷺ سے سنی ہوں گی۔

(۵) مرفوع حکمی فعلی:

وہ حدیث ہے جس میں فعل کی نسبت نبی ﷺ کی طرف حکماً ہو مثلاً کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کوئی ایسا فعل کرے جس میں اجتہاد کی بالکل گنجائش نہ ہو (۲)۔

---

(۱) ماقبل میں تقریر کی تعریف گذر چکی ہے۔

(۲) جیسے امام شافعی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو سے زائد رکوع ادا فرماتے تھے۔ حالانکہ یہ خلاف قیاس ہے لہٰذا اس کو اس پر محمول کرینگے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو ضرور ایسا کرتے دیکھا ہوگا۔

(۶) مرفوع حکمی تقریری:

وہ حدیث ہے جس میں تقریر کی نسبت نبی ﷺ کی طرف حکماً ہو مثلاً کوئی صحابی رضی اللہ عنہ خبر دیں کہ لوگ زمانہ نبوی ﷺ میں ایسا کرتے تھے (۱) کیونکہ ظاہر ہے کہ اس فعل کے جواز پر وحی آچکی تھی۔

یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں کہیں "من السنة کذا" کیونکہ سنت سے بظاہر سنتِ امام الانبیا ﷺ ہی مراد ہوتی ہے جبکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ "من السنة کذا" کہیں تو سنتِ نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ سنت صحابہ کرام و سنت خلفاء راشدین کے مراد ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ لفظ سنت کا جس طرح سنت نبی ﷺ پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین کی سنت پر بھی اس کا اطلاق (۲) ہوتا ہے۔

---

(۱) جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے

کنانعزل والقران ینزل

کہ ہم عزل کرتے تھے جبکہ قرآن بھی اترتا تھا۔

اسی طرح آپ کا قول مبارک ہے: کنا ناکل الاضاحی فی عهد رسول ﷺ فوق ثلث۔ نبی پاک ﷺ کے زمانے میں ہم تین دن سے زائد تک قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔

(۲) جیسے نبی ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین عضوا علیها بالنواجذ۔

ترجمہ: تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنۃ لازم ہے خلفاء راشدین کی سنۃ کو اور میری سنۃ کو مضبوطی سے تھامو۔

فصل

سند:

لغوی معنی ہے پہاڑ کا ٹیلہ۔ ما یعتمد علیہ جس پر سہارا لیا جائے۔

اصلاحی تعریف:

طریق الحدیث۔ حدیث مصطفیٰ ﷺ تک پہنچنے کا راستہ۔
بالفاظ دیگر حدیث کو روایت کرنے والے محدثین کو سند کہتے ہیں۔

اِسناد: (ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ)

لفظ سند کے ہم معنی ہے اور کبھی لفظ اسناد ذکرِ سند اور طریق متن کی حکایت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

متن:

لغوی معنی ہے "متانۃ" یعنی قوت و مضبوطی۔

اصلاحی معنی:

ما انتھی الیہ الاسناد۔ وہ چیز جس تک سند کا اختتام ہو جائے۔ (یعنی انتہاء سند کے بعد جو چیز آتی ہے اسے متن کہتے ہیں)۔

حدیث متصل:

اگر حدیث کی سند سے کوئی راوی بھی ساقط نہ ہو تو اس کو حدیث متصل کہتے ہیں اور اس عدم سقوط کو اتصال کہتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) جیسے امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "حدثنا ابراھیم بن المنذر قال حدثنا ابو ضمرة قال حدثنا موسیٰ بن عقبة عن نافع ان عبداللہ بن عمر قال سمعت النبی ﷺ ینھی عن الصلوة عند طلوع الشمس وعند غروبھا۔ (بخاری، ج ۱، ص ۲۲۱)۔

حدیث منقطع:

اگر حدیث کی سند سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں تو اس کو منقطع اور سقوط کو انقطاع کہا جاتا ہے۔

حدیث معلق:

وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے راوی ساقط کیے جائیں اس حدیث کو معلق اور اسقاط کو تعلیق کہا جاتا ہے۔

اور اول سند سے ساقط ہونے والا راوی کبھی ایک ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زائد اور کبھی پوری سند ساقط کردی جاتی ہے جیسا کہ مصنفین (کتب فقہ و اصول فقہ و کتب تفسیر وغیرہ) کی عادت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قال رسول اللہ ﷺ۔

صحیح بخاری شریف (۱) کے تراجم میں تعلیقات بکثرت پائی جاتی ہیں، لیکن ان کے لئے اتصال کا حکم ہے کیونکہ امام بخاری (۲) نے صحیح بخاری میں فقط احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہے اگرچہ یہ تعلیقات (جو بلا سند امام بخاری نے روایات ذکر کی ہیں)

---

(۱) اس کا اصل نام الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ و سننہ و ایامہ ہے۔ یہ وہ عظیم الشان اور مبارک کتاب ہے کہ باتفاق امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام اللہ تعالی کی کتاب کے بعد اس کتاب کا درجہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تقریباً چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے میں نے اس میں احادیث درج کی ہیں، اور کوئی بھی حدیث اس میں درج نہیں کی مگر پہلے میں نے دو رکعت ادا کی ہیں۔ مشہور و معروف اور تعریف سے مستغنی کتاب ہے۔

(۲) امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری الجعفی ۱۹۴ھ جمعہ کے دن پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ لیلۃ القدر آپ کا وصال ہوا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث آپ کا لقب ہے۔ جلیل القدر محدث، حافظ الحدیث بلکہ حاکم الحدیث تھے۔ حضرت ملا علی القاری مرقاۃ شرح مشکوۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: آپ کی قبر انور سے کئی سالوں تک خوشبو آتی رہی، لوگ مٹی اٹھا اٹھا کر لے جاتے۔ امام مسلم نے جب امام بخاری کو دیکھا تو فرمایا: اے سید المحدثین! اے استاذوں کے استاذ! ذرا مجھے اجازت دیں میں آپ کے قدم چوم لوں۔

مسند احادیث (جو سند کے ساتھ امام بخاری نے روایات ذکر کی ہیں) کے مرتبے میں نہیں ہیں لیکن وہ تعلیقات بلاشبہ اس مرتبے میں ہیں جنہیں امام بخاری نے صحیح بخاری کے دوسرے مقام پر سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور کچھ محدثین (امام نووی، حافظ ابن حجر عسقلانی، سید شریف جرجانی، امام جلال الدین سیوطی، حافظ ابن صلاح) تعلیقات بخاری میں فرق کرتے ہیں کہ وہ تعلیقات جن کو امام بخاری نے صیغہ جزم ومعلوم کے ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً وہ تعلیقات میں کہتے ہیں قال فلان یا ذکر فلان تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس معلق کی سند ثابت ہے۔

تو قطعاً یہ تعلیق (عندالبخاری) صحیح ہوگی۔ اور جن تعلیقات کو امام بخاری نے صیغہ تمریض ومجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مثلاً وہ تعلیقات میں کہتے ہیں ''قِیلَ یا یُقَالُ یا ذُکِر'' تو ان تعلیقات کی صحت میں امام بخاری کے نزدیک کلام ہے، لیکن جامع صحیح بخاری میں ان کو وارد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی اصل (عندالبخاری) ثابت ہو گی۔ اس لئے محدثین عظام فرماتے ہیں ''تعلیقات البخاری متصلة صحیحة'' کہ صحیح بخاری کی (عام) تعلیقات متصل صحیح ہیں۔

حدیث مرسل:

اگر حدیث کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی ساقط ہو تو اس حدیث کو مرسل اور اس فعل اسقاط کو ارسال کہتے ہیں جیسے کوئی تابعی کہے قال رسول اللہ ﷺ اور کبھی محدثین (ابوزرعة، ابوحاتم، بخاری، ابوداؤد، ترمذی فی بعض مواضع جامع ترمذی، دارقطنی، بیہقی، خطیب بغدادی، ابونعیم اصبهانی فی مستخرجه) مرسل اور منقطع کو ایک معنی میں ہی استعمال کرتے ہیں (اور وہ ہے عدم اتصال مطلق) لیکن پہلی اصطلاح (یعنی مرسل وہ ہے جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی ساقط ہو اور منقطع کی تعریف چند صفحات کے بعد آرہی ہے) زیادہ مشہور ہے (حاکم اور ابن عبدالبرؒ نے محدثین سے

یہی یعنی فرق نقل کیا ہے اور اکثر محدثین کے نزدیک یہی معتمد اور مختار ہے۔)

حدیث مرسل کا حکم:

جمہور علماء ومحدثین کے نزدیک حدیث مرسل کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔توقف اس لئے کیا جائے گا کیونکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ ساقط ہونے والا راوی ثقہ ہے (حدیث میں قابل اعتماد) ہے یا نہیں کیونکہ یہ کوئی حتمی بات نہیں ہے کہ تابعی کے بعد صحابی ہی ساقط ہو کیونکہ کبھی تابعی تابعی (۱) سے بھی روایت کرتا ہے اور تابعین میں جیسے ثقہ راوی ہیں ایسے ہی غیر ثقہ بھی ہیں جبکہ حضرت امام الائمہ سراج الامۃ سیدی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام دارالہجرۃ سیدی امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً (چاہے کسی اور طریق سے اسکو تقویت ملے یا نہ ملے) مقبول ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ اس تابعی نے مکمل وثوق واعتماد کی بناء پر اس حدیث کو مرسل ذکر کیا ہے کیونکہ کلام تو ثقہ راوی میں ہے(یعنی جس راوی نے حدیث کو مرسلاً ذکر کیا ہے وہ تو بالاتفاق ثقہ ہے) اگر اس ثقہ راوی کے نزدیک وہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ کبھی ارسال کر کے یوں نہ کہتا قَالَ

---

(۱) جیسے امام مسلم لکھتے ہیں: حدثنا محمد بن بشر و محمد بن حاتم جمیعاً عن یحییٰ القطان قال ابن حاتم نا یحییٰ بن سعید عن التیمی عن بکر بن عبد اللہ عن الحسن عن ابن المغیرۃ بن شعبۃ عن ابیہ قال بکر وقد سمعت عن ابن المغیرۃ ان النبی ﷺ توضأ فمسح بناصیتہ وعلی العمامۃ وعلی الخفین۔ (مسلم ج:۱،ص:134)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ھذا الاسناد فیہ اربعۃ تابعون یروی بعضھم عن بعض وھم ابو المعتمر سلیمان التیمی و بکر بن عبد اللہ والحسن البصری و ابن المغیرۃ یعنی امام مسلم کی اس سند میں چار تابعی ہیں۔(۱) سلیمان تیمی (۲) بکر بن عبداللہ (۳) حسن بصری (۴) ابن المغیرۃ اور اسی ترتیب سے وہ ایک دوسرے سے روایت کر رہے ہیں۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ(۱) (معلوم ہوا محذوف راوی اس کے نزدیک ثقہ تھا اس لئے اس نے ارسال کیا ہے)۔

حضرت سیدنا عالم قریش امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (۲) کے نزدیک حدیث مرسل تب قبول ہو گی جب اس کو کسی اور طریق سے تقویت مل جائے وہ طریق ثانی مرسل ہو یا مسند اگر چہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو بصورت دیگر حدیث مرسل غیر قابل قبول ہے حضرت سیدنا الامام الصابر ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۳) کے حدیث مرسل کے بارے میں دو قول ہیں۔

قول اوّل:

(یہی آپ کا زیادہ مشہور قول ہے) مطلقاً مقبول اور حجۃ ہے۔ کماھو مذھب ابی حنیفۃ ومالك رحمهما الله۔

قول ثانی:

توقف، کمذھب جمھور المحدثین

یاد رہے جمہور اور آئمہ اربعہ کے درمیان حدیث مرسل کے حکم میں اختلاف تب ہے جب یہ معلوم ہو کہ بلاشبہ اس تابعی کی عادت یہ ہے کہ وہ فقط ثقہ راویوں سے ارسال کرتا ہے اور اگر اس کی عادت یہ ہو کہ وہ ثقہ اور غیر ثقہ ہر طرح کے راوی سے ارسال کرتا ہے تو پھر بالاتفاق (عند الجمھور والائمة الاربعة) اس مرسل حدیث کا حکم توقف ہے۔

---

(۱) علماء احناف فرماتے ہیں: الارسال اقوی من الاتصال (کوثر النبی للفر ہاروی)

(۲) امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی 150 ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار ائمہ اربعہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ 204 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اصحاب سنن اربعہ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کے بے حد مناقب ہیں۔

(۳) امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل 161 ھ میں شہر بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار بھی ائمہ اربعہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ 241 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے بے شمار مناقب و فضائل ہیں۔ بلکہ محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ایک ضخیم جلد میں آپکے مناقب تحریر فرمائے ہیں۔

اسی طرح علماء اصول نے فرمایا ہے۔

حدیث مرسل کے حکم میں ہماری ذکر کردہ تفصیل سے بڑھ کر تفصیل حضرت امام شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف جلیل فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث میں (تقریباً پانچ صفحات میں) ذکر کی ہے۔

حدیث مُعْضَل:

سند کے درمیان سے دو یا دو سے زائد راوی پے در پے ساقط ہوں ایسی حدیث کو حدیث معضل (ضاد کے فتح کے ساتھ) کہتے ہیں۔

حدیث منقطع:

سند کے درمیان سے دو یا دو سے زائد راوی ساقط ہوں مگر لگاتار ساقط نہ ہوں ایسی حدیث کو حدیث منقطع کہتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے یہ حدیث غیر متصل کی قسم ہو گی اور کبھی منقطع کا حدیث غیر متصل مطلقاً کے معنی میں بھی اطلاق کیا جاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے منقطع کو مقسم قرار دیا جائے گا اور یہ تمام اقسام کو شامل ہو گی (۱)۔

---

(۱) خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث منقطع کے دو معنی ہیں۔

(۱) غیر متصل مطلقاً: چاہے راوی صرف ایک جگہ ساقط ہو یا ایک سے زائد جگہ ساقط ہو اول سند سے ساقط ہو یا درمیان سند سے یا اخیر سند سے اس معنے کے لحاظ سے یہ مقسم ہو گی اور حدیث غیر متصل کی تمام اقسام معلق، مرسل، معضل سب کو شامل ہو گی یعنی سب کو منقطع کہہ سکتے ہیں۔

(۲) غیر متصل مقیداً: یعنی صرف ایک جگہ راوی ساقط ہو یا ایک سے زائد جگہ ساقط ہوں اس معنی کے لحاظ منقطع غیر متصل کی ایک قسم ہو گی جس طرح معلق ایک الگ قسم ہے مرسل الگ قسم ہے اور معضل الگ قسم ہے اسی طرح منقطع بھی انکی طرح ایک الگ قسم ہو گی۔

یاد رہے منقطع کے ان دونوں معنوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ تدبر

سقوط اور انقطاع کی پہچان:

انقطاع اور راوی کے سقوط کی پہچان راوی اور مروی عنہ کے درمیان عدم ملاقات سے ہوتی ہے اور عدم ملاقات کا ثبوت تین طریقوں سے ہوتا ہے۔

(۱) راوی اور مروی عنہ ہم عصر نہ ہوں (مثلاً راوی تابعی صغیر ہو اور مروی عنہ بدری صحابی ہو وغیرہ)۔

(۲) راوی اور مروی عنہ اگر چہ ہم عصر ہوں لیکن کسی ایک جگہ میں اکھٹے نہ ہوئے ہوں۔

(۳) راوی کو مروی عنہ سے اجازت (۱) نہ ہو (۲)۔

---

(۱) وجوہ تحمل حدیث میں سے ایک قسم اجازت بھی ہے۔

اجازت کی تعریف: هی عبارة عن الاذن فی الروایة لفظاً او کتابةً۔ یعنی مروی عنہ (شیخ) کا راوی (اپنے شاگرد) کو روایہ حدیث میں اجازت دینا چاہے منہ زبانی ہو یا تحریر کی صورت میں۔

اور وجوہ تحمل حدیث سات ہیں: (۱) اجازت (۲) سماع من لفظ الشیخ (۳) القرائة علی الشیخ (۴) المناولہ (۵) المکاتبہ (۶) الاعلام (۷) الوجادة وههنا تفصیل ازید بسطه ارباب اصول الحدیث لاسیما الحافظ ابن حجر العسقلانی فی شرح النخبة۔

(۲) میں کہتا ہوں یہاں ایک چوتھی وجہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ ہم عصر ہوں ملاقات بھی ثابت ہو، اجتماع بھی ہو، مگر راوی نے مروی عنہ سے سماع حدیث نہ کیا ہو، یہ بھی انقطاع کی ایک صورت ہے جیسے امام اعمش۔

آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بلکہ کسی بھی صحابی رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بھی نہیں سنی مگر آپ کہتے ہیں رایت انساً یصلی کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے ان سے حدیث کا سماع بھی کیا ہے، ملاقات و معاصرت اگر چہ ثابت ہے مگر سماع نہیں ہے لہٰذا ان کی اگر روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بلاواسطہ آئے تو وہ منقطع ہوگی۔ جیسا کہ امام ترمذی لکھتے ہیں ولا نعرف للاعمش من انسٍ الا انه قد راٰه و نظر الیه۔ (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۳، قدیمی کتب خانہ کراچی) واللہ اعلم

اور یہ تینوں امور اس علم تاریخ (۱) سے معلوم ہونگے جس میں راویوں کی تاریخ پیدائش وتاریخ وفات اور زمانہ کسب علم کی تعیین اور طلب علم کے لیے سفروں کا تذکرہ ہوتا ہے اس لیے علم تاریخ محدثین کے نزدیک اصل (جڑ۔ بنیاد) اور ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔

حدیث مُدلّس: (میم کے ضمہ اور لام مفتوحہ مشددہ کے ساتھ)

تدلیس سے مشتق ہے اور تدلیس کا معنی ہے خرید وفروخت کرتے وقت سامان میں گاہک سے عیب چھپانا۔

اور "دلس" سے مشتق ہے جسکا معنیٰ ہے انتہائی سخت اندھیرے۔

وجہ تسمیہ:

تدلیس کے لغوی معنی میں چونکہ خفاء ہے اور حدیث مُدلّس میں بھی خفاء ہوتا ہے کیونکہ راوی اپنے شیخ کا نام ذکر نہیں کرتا تو یوں خفاء میں دونوں مشترک تھے اسی لیے حدیث کو بھی مدلس کہا جاتا ہے اور اس فعل کو تدلیس اور اس فعل کے فاعل کو مدلس (لام کے کسرہ کے ساتھ) کہا جاتا ہے۔

---

(۱) یہاں علم تاریخ سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق صرف راویان حدیث کے ساتھ ہے اور اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب بے شمار ہیں مثلاً التاریخ الکبیر ، التاریخ الصغیر ، التاریخ الاوسط للبخاری ، طبقات ابن سعد ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ، کتاب الثقات وکتاب المجروحین لابن حبان ، تهذیب الکمال للمزّی سیر اعلام النبلاء ومیزان الاعتدال ، وتذکرۃ الحافظ و الکاشف للذہبی ، تهذیب التهذیب و تقریب التهذیب، ولسان المیزان و تعجیل المنفعة للحافظ ابن حجر العسقلانی،وکتاب الثقات للعلامة قاسم بن قطلوبغا الحنفی واکمال تهذیب الکمال للحافظ مغلطائی الحنفی اور اس کے علاوہ بے شمار کتب ہیں۔

حدیث مدلس کی تعریف:

حدیث روایت کرنے والا اپنے اس استاذ کا نام ذکر نہ کرے جس سے اس نے حدیث سنی ہے بلکہ استاذ کے استاذ کا نام ذکر کرے ایسے الفاظ کے ساتھ جو استاذ ثانی سے سماع حدیث کا وہم دیں اور قطعی طور پر جھوٹ بھی نہ بولے (یعنی لفظ حدثنا یا اخبرنا یا سمعت کے ساتھ استاذ ثانی کا ذکر نہ کرے) مثلاً وہ یوں کہے عن فلان یا کہے قال فلان (۱)

تدلیس کا حکم: (۲)

شیخ (شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں جس راوی کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ یہ تدلیس کرتے ہیں تو ان کی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک وہ "حدثنی" کے ساتھ صراحت نہ کرے (نیز خود عادل بھی ہو، شرح نخبۃ الفکر)

امام تقی الدین شُمُنّی (۳) رحمہ اللہ فرماتے ہیں فعل تدلیس تمام آئمہ اربعہ اور اکابر محدثین وفقہاء کرام کے نزدیک حرام ہے۔

---

(۱) کیونکہ لفظ "عن" اور لفظ "قال" سماع اور عدم سماع دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

(۲) یاد رہے کہ تدلیس کے حکم کے بارے میں چھ مذاہب ہیں، اکثر محدثین و اصولیین (امام مُغلطی شافعی رحمہ اللہ، ابن الصلاح وابوسعید العلائی ہیں اور خطیب بغدادی نے بھی اسی قول کو صحیح کہا ہے) کا مختار یہی ہے جو شیخ محقق رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

(۳) الامام العلامۃ احمد بن محمد ابو العباس تقی الدین الشُمُنّی (شین اور میم کے ضمہ کے ساتھ اور نون مکسورہ کی شد کے ساتھ)۔

872ھ میں آپ رحمہ اللہ کا وصال ہوا کذا فی الفوائد البھیۃ۔

اور امام وکیع (۱) بن جراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کپڑے میں عیب چھپانا حرام ہے تو حدیث میں عیب (اپنے استاذ کے کم عمر یا عدم شہرت وغیرہ) چھپانا کیسا ہے (بدرجہ اولیٰ حرام ہے) جبکہ امام شعبہ (۲) نے تو تدلیس کی حد سے زیادہ مذمت کی ہے (۳)۔

مدلس کی روایت کا حکم:

مدلس کی روایت کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں علماء و محدثین کے مختلف اقوال ہیں فقہاء محدثین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کے تدلیس خود جرح ہے اور جو راوی اس کے ساتھ معروف ہو اسکی روایت کردہ حدیث مطلقاً قابل قبول نہیں ہوگی (میں کہتا ہوں اگر اس قول کو تسلیم کر لیا جائے تو بہت بڑا فساد لازم آئے گا سب سے بڑا فساد یہ ہوگا کہ صحیح بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا لازم آئیگا کہ یہ ثقہ راویوں کی تدلیسات سے بھری پڑی ہیں) جبکہ اس جماعت کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسے راوی کی روایت مقبول ہے۔

جمہور کا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ اس مدلس کی تدلیس (والی روایت) قبول کر لی جائے گی جس کے

---

(۱) امام علامہ محدث وکیع بن جراح الکوفی 197 ھ میں آپ کا وصال ہوا آپ رضی اللہ عنہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں وکیع بہت بڑے عالم تھے۔

(۲) امام ثقہ حافظ شعبہ بن حجاج ابن ورد العتکی 160 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث آپ کو کہا جاتا ہے۔ بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔

(۳) اور فرمایا لان ازنی احب الیّ من ان ادلس۔ یعنی حدیث میں تدلیس کرنے سے زناء کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

نیز فرمایا "التدلیس اخوا الکذب" کہ تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے (کوثر النبی للفر ہاروی)

بارے میں یہ مشہور و معروف ہو کہ یہ فقط ثقہ راویوں سے تدلیس کرتا ہے جیسے سفیان بن عینیہ (سفیان ثوری) اور اس مدلس کی تدلس والی روایت مردود ہو گی جو ضعیف غیر ضعیف ہر طرح کے راوی سے تدلیس کرتا ہو جب تک کہ وہ مروی عنہ سے سماع پر "سمعت" یا "حدثنا" یا "اخبرنا" کے قول کے ساتھ صراحت نہ کرے۔

فعل تدلیس پر آمادہ کرنے والے اسباب:

کبھی تو کچھ لوگوں کی غرض فاسد کیوجہ سے سرزد ہوتی ہے مثلاً کسی شیخ سے سماع کو مخفی کرنا اس وجہ سے کہ وہ کم عمر ہے اور اس وجہ سے کہ لوگوں کے ہاں اس کا مرتبہ و وجاہت نہیں ہے۔

سوال:

بڑے بڑے اکابر محدثین مثلاً حضرت حسن بصری ، حضرت سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ وغیرھم نے بھی فعل تدلیس کیا ہے تو کیا ان کو تدلیس پر ابھارنے والی کوئی غرض فاسد تھی یا کوئی اور غرض بصورت اول یہ اکابر نہ رہے حالانکہ پوری امت ان کی جلالت علمی پر متفق و متحد ہے بصورت ثانی پھر کس چیز نے انکو آمادہ کیا ہے تدلیس کرنے پر؟

جواب :ان اکابر نے غرض فاسد کی وجہ سے تدلیس نہیں کی بلکہ اس وجہ سے کہ ان کو حدیث کی صحت پر مکمل وثوق و اعتماد تھا اور بوجہ شہرت ان کے ذکر سے (مروی عنہم) مستغنی و بے نیاز تھے (۱)۔

---

(۱) خلاصہ جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے شیخ یا شیخ الشیخ کو اس لیے حذف کیا ہے کیونکہ وہ شیوخ یعنی اس کے اساتذہ مشہور ہی اتنے تھے کہ انکو ان کے نام ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس وجہ سے ان اکابر نے تدلیسات کی ہیں۔

حضرت امام شمنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یحتمل ان یکون قد سمع الحدیث من جماعة من الثقات (۱) عن ذالك الرجل فاستغنی بذکرہ عن ذکر احدھم او ذکر جمعیھم لتحققه بصحة الحدیث فیه کما یفعل المرسل۔

ترجمہ: یہ بھی احتمال ہے کہ اس مدلس نے حدیث کو اس مرد (مدلس عنہ، جس سے تدلیس کر رہا ہے) سے سنا ہو لیکن ثقات راویوں کی ایک جماعت کے واسطہ سے، پھر اس (مدلس) نے اسی ایک مرد کے ذکر پر اکتفاء کرلیا ان تمام مشائخ یا ان میں سے کسی ایک کا ذکر کرنے سے کیونکہ حدیث کی صحت پر اسے یقین کامل ہے جیسا کہ مرسل راوی کرتا ہے (۲)

حدیث مضطرب:

اگر سند یا متن میں اختلاف واقع ہو گیا مثلاً مقدم کو موخر کر دیا گیا اور موخر کو

---

(۱) کچھ نسخوں میں عن الثقات کے بعد ''واو'' ہے یہ غلط ہے معنی واضح نہیں ہوگا اور جن نسخوں میں ''واو'' نہیں ہے وہ صحیح ہیں اور ہماری تقریر وترجمہ بھی انہی نسخوں کے مطابق ہے جن میں ''واو'' نہیں ہے۔

(۲) اسکی توضیح یہ ہے کہ مدلس راوی نے ان ثقات راویوں سے سنا ہے جنہوں نے اس مرد (جس سے مدلس اب روایت کر رہا ہے) سے سنا ہے پھر مدلس نے جن ثقات راویوں سے حدیث سنی ہے ان تمام میں سے کسی ایک کا ذکر کرنے کی بجائے اپنے مشائخ کے شیخ کے شیخ کا ذکر کر دیا ہے۔

گویا کہ مدلس یہ کہنا چاہتا ہے کہ مثلاً میرے پانچ ثقہ استاذ اس مرد سے روایت کر رہے ہیں اب میرے سامنے اس مرد کی حدیث کی شہادتیں ہی اتنی پہنچ گئیں ہیں گویا میں خود اس سے روایت کر رہا ہوں اس لیے مدلس اپنے مشائخ کا نام ترک کر کے اپنے مشائخ کے شیخ سے تدلیسا بغرض صحیح (اختصاراً) روایت کر دیتا ہے۔

مقدم کر دیا گیا (۱) جیسے سند میں کعب بن مرۃ کی بجائے مرۃ بن کعب اور متن میں ما تنفق یمینہ کی بجائے ما تنفق شمالہ یا (سند یا متن میں) کمی بیشی ہو گئی یا (سند میں) ایک راوی کو دوسرے راوی کی جگہ ذکر کر دیا یا ایک متن کی جگہ دوسرا متن (۲) ذکر کر دیا یا اسمائے سند (۳) میں تصحیف ہو گئی یا اجزائے متن (۴) میں اختصار یا حذف وغیرہ کی وجہ سے اختلاف ہو گیا تو ایسی حدیث کا نام ''مضطرب'' ہے

حدیث مضطرب کا حکم:

ان سب میں اگر تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دی جائے گی وگرنہ توقف کیا جائے۔

حدیث مدرج:

اگر راوی نے اپنا کلام یا اپنے علاوہ کسی صحابی یا تابعی کا کلام کسی غرض کے لیے مثلاً بیان لغۃ کے لیے (۵) یا کسی معنی کی تفسیر کے لیے یا کسی مطلق کو مقید کرنے کے لیے یا اس کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے درج کر دیا تو ایسی حدیث کو مدرج کہا جاتا ہے

---

(۱) اگر یہ تقدیم و تاخیر سند میں ہو تو مقلوب السند اور اگر متن میں ہو تو اس کو مقلوب المتن کہتے ہیں۔

(۲) جیسے حدیث فاطمہ بنت قیس کی راویت عند الترمذی۔ ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ۔ جبکہ ابن ماجہ میں ہے لیس فی المال حق سوٰی الزکوۃ۔(فافھم)۔

(۳) جیسے امام یحیٰی بن معین نے المراجم (را مہملہ اور جیم کے ساتھ) کو مزاحم (زا معجمہ اور حا، مھملہ) کے ساتھ تصحیف کر دیا۔

(۴) جیسے اصل حدیث تھی من صام رمضان و اتبعہ ستاً ابو بکر صولی نے ستاً کو شیئاً کی طرف تصحیف کر دیا۔

(۵) جیسے صحیح بخاری باب بدء الوحی میں حدیث پاک کے الفاظ ہیں کان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ و ھو التعبد باللیالی (بخاری ج،۱،ص،۲) تحنث کا معنی تعبد باللیالی یہ راوی امام زہری کا اپنا کلام ہے۔

فصل

''تنبیہ''

حدیث کی روایت بالمعنی

یہ بحث (یعنی آنے والی) مفہوم حدیث کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے والے مسئلہ کی طرف کھینچتی ہے۔ (آیا کہ یہ کس صورت میں جائز ہے اور کس صورت میں ناجائز؟) اس میں علماء کا اختلاف ہے (اور اس میں کئی اقوال ہیں)

قول اول:

اکثر علماء و محدثین (آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں) کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے مگر اس کے لیے جس میں چار شرطیں پائی جائیں۔

شرط اول:

عربی زبان پر اسے مکمل عبور حاصل ہو۔

شرط ثانی:

اسالیب کلام کا ماہر ہو۔

شرط ثالث:

کلام کی تراکیب کے خواص (مثلاً مسند کو مقدم کہاں کرنا ہے مؤخر کہاں کرنا ہے وقس علیٰ ھذا) سے باخوبی آگاہ ہو۔

شرط رابع:

خطاب کے مفہومات کو بھی پوری طرح جانتا ہو (یہ سب شرطیں ہم نے اس

لیے لگائی ہیں) تا کہ روایت حدیث بالمعنی کے وقت حدیث میں کمی بیشی کی وجہ سے خطانہ کر بیٹھے۔

قول ثانی:

روایت حدیث بالمعنی جائز ہے لیکن مفرد الفاظ میں نہ کہ مرکبات میں۔

قول ثالث:

راویت حدیث بالمعنی جائز ہے لیکن اس شخص کے لیے جس کو اصل حدیث کے الفاظ مکمل متحضر ہوں تا کہ ان میں بقدر ضرورت تصرف کرنے پر قادر ہو۔

قول رابع:

راویت حدیث بالمعنیٰ اس شخص کے لیے جائز ہے جس کو اصل حدیث کے معانی مکمل طور پر حفظ ہوں اور الفاظ بھول گیا ہو (اس شخص کے لیے روایت حدیث بالمعنی) تحصیل احکام میں بوجہ ضرورت جائز ہے لیکن وہ شخص جس کو اصل حدیث کے الفاظ مکمل طور پر متحضر ہیں ایسے شخص کے لیے روایت حدیث بالمعنی جائز نہیں کیونکہ یہ بلا ضرورت ہے۔

یاد رہے کہ یہ اختلاف (حدیث کی روایت بالمعنی کا) جواز اور عدم جواز میں ہے نہ کہ اولویۃ میں۔

کیونکہ حدیث کی روایت باللفظ الفاظِ حدیث میں تصرف کیے بغیر اولی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے آئمہ اربعہ بھی اس پر متفق ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: نضر الله امرأ سمع مقالتی فوعاها فاداها کما سمع۔

ترجمہ: اللہ رب العزت اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سن کر محفوظ رکھا پھر بعینہ اس نے جیسے سنی تھی ویسے پہنچادی (میری امت تک)۔

اور روایت حدیث بالمعنی صحاح ستہ (بخاری ۔ مسلم ۔ابوداؤد ۔ترمذی ۔نسائی۔ ابن ماجہ) اور دیگر کتب حدیث میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

حدیث معنعن: (۱)

لفظ ''عن فلان عن فلان'' کے ساتھ روایت کرنے کو عنعنہ کہتے ہیں اور جو حدیث عنعنہ کے طریق سے روایت کی جائے اسے حدیث معنعن کہا جاتا ہے۔

حدیث معنعن کا حکم:

(ویسے تو اس کے حکم میں چھ اقوال ہیں مگر مصنف نے تین بیان فرمائے ہیں)

قول اول:

امام مسلم رحمہ اللہ (۲) کے نزدیک (صحۃ حدیث کے لیے) عنعنہ میں راوی (معنعن) اور مروی عنہ کا فقط ہم عصر ہونا شرط ہے۔

قول ثانی:

امام بخاری رحمہ اللہ (اور علی بن مدینی) کے نزدیک عنعنہ میں فقط معاصرت کافی نہیں بلکہ راوی اور مروی عنہ کی آپس میں ملاقات بھی شرط ہے۔

---

(۱) عنعنہ سے مشتق ہے اور عنعنہ مصدر جعلی ہے جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے لیے حوقلہ، بسم اللہ کے لیے بسملۃ، الحمد للہ کے لیے حمدلۃ، حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح کے لیے حیعلۃ، لا الہ الا اللہ کے لیے ھیللۃ، سبحان اللہ کے لیے سبحلۃ، یہ تمام مصادر جعلی ہیں۔ قالہ الامام النووی فی شرح صحیح مسلم فی الباب السابع من کتاب الصلوۃ (ج،۱ص،۱۶۶)۔

(۲) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مسلم کے مختار قول کا محققین نے انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ مسلم کا یہ قول نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور صحیح و مختار قول وہی ہے جو امام بخاری و علی بن مدینی کا ہے۔

قول ثالث:

محدثین کی ایک قوم کے نزدیک معاصرت و ملاقات کے ساتھ ساتھ اخذ حدیث (یعنی معنعن راوی نے مروی عنہ سے کوئی حدیث بھی سنی ہو) بھی شرط ہے حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے (اپنی کتاب صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں) مؤخر الذکر دونوں قولوں کے قائلین پر شدید رد کیا ہے اور رد میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ یاد رہے مدلس راوی کا عنعنہ مقبول نہیں (یعنی مدلس راوی اگر عن کے ساتھ روایت کرے تو اسکی یہ روایت قابل قبول نہیں ہے (۱)

حدیث مسند:

اس کی تعریف میں تین قول ہیں:

قول اول:

ہر وہ حدیث مرفوع جسکی سند متصل ہو اسے حدیث مسند کہتے ہیں۔

حدیث مسند کی یہی تعریف مشہور و معروف و معتمد علیہ ہے۔

قول ثانی:

ہر وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو وہ مسند ہے

چاہے وہ مرفوع ہو یا موقوف ہو یا مقطوع (۲) ہو

قول ثالث:

حدیث مرفوع کو مسند کہتے ہیں چاہے وہ مرسل ہو یا معضل ہو یا منقطع (۳)

---

(۱) ہاں اگر مدلس ثقہ راوی ہو اور وہ کسی اور جگہ شیخ سے سماع کی ''حدثنا'' یا ''اخبرنا'' یا ''سمعت'' وغیرہ کے ساتھ تصریح کر دے تو پھر اس کی عنعنہ والی روایت قبول ہوگی۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی امام ابن عبدالبر اور حاکم صاحب مستدرک اور خطیب بغدادی اور ابن الصباغ وغیرہم کے نزدیک مسند کی یہی تعریف مختار ہے۔

(۳) یہ تعریف حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید میں ذکر کی ہے۔

فصل:

حدیث کی اقسام میں سے شاذ اور منکر اور معلل بھی ہیں۔

شاذ: (۱)

لغتاً اس شخص کو کہتے ہیں جو جماعت سے تنہاء اور الگ تھلگ ہو جائے۔

اصطلاحی تعریف:

وہ حدیث ہے جو ثقات راویوں کی روایت کردہ حدیث کے مخالف روایت کی جائے۔

حدیث شاذ کا حکم:

اگر خود اس کے راوی ثقہ نہ ہوں تو مردود ہے اور اگر (مخالف اور مخالف دونوں) ثقہ ہوں پھر اس کا طریقہ ترجیح کا ہے۔ راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہیں گے (مخالف اور مخالف میں) ترجیح اسکو ہوگی جس میں حفظ و ضبط زیادہ ہو نیز راویوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور اس کے علاوہ دیگر وجوہ ترجیحات (مثلاً راوی کا فقیہ ہونا سند کا عالی ہونا) پائی جائیں (۲)۔

حدیث منکر:

وہ حدیث ہے جس میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف راوی کی مخالفت کرے اس کا مقابل حدیث معروف ہے (یعنی معروف وہ حدیث ہے جس میں کم ضعیف راوی زیادہ ضعیف راوی کی مخالفت کرے)۔

---

(۱) شذ یشذ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

(۲) علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے وجوہ ترجیحات تقریباً 57 ذکر کی ہیں۔ (دیکھئے کوثر النبی فی اصول الحدیث النبوی)۔

منکر اور معروف دونوں کے راوی ضعیف ہوتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ ان میں سے ایک (معروف) کا راوی کم ضعیف ہوتا ہے جبکہ دوسرے (منکر) کا راوی زیادہ ضعیف ہوتا ہے۔

لیکن شاذ اور معروف دونوں کے راوی قوی ہوتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ ان میں سے ایک (محفوظ) کا راوی اقوی (زیادہ قوی) ہوتا ہے جبکہ دوسرے (شاذ) کا راوی قوی (پہلے سے کم قوی) ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ شاذ اور منکر (دونوں حدیث کی قسمیں) مرجوح ہوتی ہیں جبکہ محفوظ اور معروف (حدیث کی دونوں قسمیں) راجح ہوتی ہیں۔

اور بعض لوگوں (حاکم وغیرہ) نے شاذ اور منکر میں (ایک راوی کا دوسرے راوی کی) مخالفت کی قید کو شرط قرار نہیں دیا چاہے وہ دوسرا راوی قوی ہو یا ضعیف اور انہوں نے شاذ کی تعریف یوں کی ہے:

شاذ وہ حدیث ہے جس کو ثقہ راوی روایت کرے اور اس روایت میں منفرد (اکیلا) ہو (روایت حدیث میں تفرد کا مطلب یہ ہے کہ پہلے راوی کی روایت کے علاوہ) اس روایت کی کوئی اور ایسی اصل نہ پائی جائے جو اس پہلے راوی کی روایت کے موافق ہو اور اسکو تقویت دینے والی ہو شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وھذا صادق علی فرد ثقة صحیح" یہ تعریف صحیح روایت کے ثقہ فرد پر صادق آتی ہے (۱)۔

اور بعض (۲) لوگوں نے شاذ میں نہ راوی کی ثقاہت کا اعتبار کیا ہے اور نہ

---

(۱) فرد سے مراد حدیث غریب ہے صحیح سے مراد صحیح روایت اور ثقہ سے مراد ثقہ راوی ہے یعنی اس تعریف کے لحاظ سے شاذ روایت مطلقاً ضعیف نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ صحیح غریب یا حسن لذاتہ ہو۔

(۲) اس سے مراد امام خلیل صاحب کتاب الارشاد ہیں انہوں نے شاذ کی تعریف یوں کی ہے الشاذ ھو ما لہ الاسناد واحد یشذ بہ ثقة او غیرھا (فافہم)۔

مخالفت کا اور اسی طرح منکر کو بھی مذکورہ صورت (یعنی زیادہ ضعیف راوی کا کم ضعیف راوی کی مخالفت کرنا) کے ساتھ انہوں نے خاص نہیں کیا بلکہ یہ لوگ فسق، فرط غفلت اور کثرت غلط کے ساتھ مطعون راوی کی حدیث کو ''منکر'' کہتے ہیں (۱)۔

بہر حال یہ محدثین کی اصطلاحیں (۲) ہیں اور اصطلاحوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔

حدیث معلل: (لام اول کی شد اور فتحہ کے ساتھ)

حدیث کی وہ سند (۳) جس میں علل اور ایسے مخفی و غیر واضح اسباب ہوں جو صحت حدیث میں قدح (عیب) پیدا کرنے والے ہوں۔ (بظاہر وہ تمام علل سے سلامت نظر آئے)۔

اور ان علتوں و مخفی اسباب پر صرف وہی مطلع ہو سکتے ہیں جو اس فن حدیث میں مکمل مہارت رکھنے والے ہیں (۴)۔

اور وہ علل و مخفی اسباب چند یہ ہیں:

---

(۱) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس کو منکر کہا ہے جیسا کہ لکھتے ہیں فمن فحش غلطہ او کثرت غفلتہ و ظھر فسقہ فحدیثہ منکر (شرح نخبۃ الفکر) یاد رہے حافظ ابن حجر نے معروف کے مقابل والی کو بھی منکر کہا ہے۔

(۲) اصطلاح کہتے ہیں: اتفاق طائفۃ مخصوصۃ علی وضع الشئی۔

(۳) علل جس طرح سند میں ہوتی ہیں ایسے ہی متن میں بھی لیکن چونکہ سند میں ان کا وقوع زیادہ ہوتا ہے بنسبت متن کے اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے تعریف میں اکثر الوقوع کو دیکھتے ہوئے تعریف میں صرف سند کا ذکر کیا ہے فلا اعتراض چنانچہ تقریب میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''وتقع فی الاسناد وقد تقع فی المتن'' لفظ قد تقلیل کی طرف مشیر ہے۔

(۴) مثلاً حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ۔ امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری۔ ابن ابی شیبہ، ابو حاتم، ابو زرعہ۔ یحیی بن معین، دار قطنی رحمہم اللہ

مرسل حدیث کو متصل یا اس کے برعکس یا مرفوع کو موقوف روایت کر دینا یا اس کے برعکس وغیرہ (مثلاً کسی حدیث کے متن کو دوسری حدیث میں داخل کر دینا)۔

یاد رہے کبھی معلل (حدیث کی علل میں غور کرنے والا) اپنے دعوی پر (کہ فلاں حدیث میں کوئی علت ہے) حجۃ قائم کرنے سے قاصر ہوتا ہے(۱)۔

(یعنی بسا اوقات ناقد کسی حدیث معلل کے بارے میں یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے لیکن جب وجہ علت پوچھی جائے تو زبان کے ذریعے بول کر علت بتانے پر وہ قادر نہیں ہوتا) جیسے زرگر درہم و دینار کو پرکھنے میں (یعنی اسکو پتہ تو چل جاتا ہے تجربہ کے ذریعے کہ اس سونے یا چاندی میں کھوٹا پن ہے لیکن اگر کوئی وجہ پوچھ لے تو بتا نہیں پاتا (۲)۔

﴿متابعت وغیرہ کا بیان﴾

جب راوی کسی حدیث کو روایت کرے اور پھر ایک اور راوی اسی حدیث کو روایت کرے اور اسکی روایت پہلے راوی کی روایت کے موافق ہو تو اس (یعنی ثانی کی) حدیث کو متابع (باء کے کسرہ کے ساتھ) کہتے ہیں۔

اور جب محدثین ''تابعہ فلان'' یا'' ولہ متابعات'' کہیں تو اس سے ان کی مراد یہی اصطلاح ہوتی ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ صحیح بخاری شریف میں اکثر

---

(۱) اسی لیے حضرت امام ابن مہدی رحمہ اللہ فرماتے تھے معرفة علل الحدیث الهام یعنی حدیث کی علل کو جاننا یہ رب ذوالجلال کی طرف سے الہام سے ہوتا ہے۔

(۲) اس فن میں بہت محدثین نے کتب تصنیف فرمائی ہے مثلاً علی بن مدینی، ابن ابی حاتم، دار قطنی، خلال اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی بھی اس فن میں تصنیف ہے جس کا نام ہے الزہر المطلول فی الخبر المعلول۔

فرماتے ہیں ''تابعه فلان''۔ (۱)

متابعت کا حکم:

متابعت (راوی اول کی روایت کردہ حدیث کے لیے) تقویت اور تائید کا موجب ہوتی ہے۔

یہ لازمی اور ضروری نہیں کہ متابعت کرنے والا راوی (ثانی) اصل (راوی اول) کے برابر مرتبہ کا ہو بلکہ کم مرتبے والے راوی کی بھی متابعت قابل اعتبار ہے۔(۲)

﴿تقسیم متابعت﴾

متابعت کی دو قسمیں ہیں

نمبر 1: کبھی تو متابعت نفس راوی میں ہوتی ہے اسکو متابعت تامہ کہتے ہیں۔

نمبر 2: کبھی متابعت نفس راوی میں تو نہیں ہوتی لیکن اس کے شیخ میں ہوتی ہے اسکو متابعت قاصرہ کہتے ہیں، لیکن اتم و اکمل متابعت کی پہلی قسم ہے کیونکہ ضعف زیادہ تر سند کے شروع میں ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) جیسا کہ آپ صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ''تابعه عبدالله بن یوسف وابو صالح و تابعه هلال بن رداد عن الزهری'' (صحیح بخاری ج۱،ص۳)

(۲) یعنی متابعت میں اس طرح مساوات و برابری شرط نہیں ہے کہ متابِع (باء کے کسرہ کے ساتھ) متابَع (باء کے فتحہ کے ساتھ) کے مرتبہ میں برابر ہو بلکہ کم درجہ والا بھی متابعت کا اہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ راوی جس کی روایت درجہ حسن کو پہنچتی ہو وہ درجہ صحیح والے راوی کی متابعت کر سکتا ہے یا اس کے برعکس بلکہ امام بخاری و مسلم نے تو متابعات و شواھد میں ضعفاء کی ایک جماعت کو بھی ذکر کر دیا ہے۔

(۳) اور متابعت کی پہلی قسم یعنی متابعت تامہ بھی اول سند میں ہوتی ہے تو اگر اول سند میں ضعف ہو تو متابعت سے وہ ضعف دور ہو جائے گا برخلاف قسم ثانی کے کیونکہ اس میں ضعف کا احتمال بہت کم ہوتا ہے۔ تدبر

مثلہ' اور نحوہٗ میں فرق:

متابعت کرنے والے راوی کی روایت اگر لفظ اور معنی دونوں میں اصل راوی (یعنی متابع باء کے فتحہ کے ساتھ) کے موافق ہو تو اسکو لفظ ''مثلہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۱) اور اگر صرف معنی میں موافق ہے تو اسکو ''نحوہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے متابعت میں شرط یہ ہے کہ (متابَع اور متابِع) دونوں کی حدیثیں ایک صحابی سے مروی ہوں تو متابعت کرنے والے کی حدیث کو ''شاہد'' کہا جاتا ہے (چاہے لفظ و معنی دونوں میں متحد ہوں یا فقط معنی میں) جیسے محدثین کہتے ہیں ''له شاهد من حديث ابی هريرة'' (۲) اور کہا جاتا ہے ''له شواهد'' اور ''يشهد به فلان''۔

جبکہ بعض لوگ متابعت کو موافقت فی اللفظ کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور شاہد کو موافقت فی المعنی کے ساتھ، چاہے ایک صحابی سے مروی ہو یا دوسے، اور کبھی شاہد اور تابع کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے (۳)۔

اور ان دونوں کا ایک معنی میں ہونا بالکل واضح ہے (۴)۔

اعتبار:

متابع اور شاہد کی معرفت حاصل کرنے کے لیے (حدیث کی کتب مثلاً جوامع سنن، مسانید، معاجم، اجزاء، رسائل، مستدرکات، مستخرجات، مفردات سے) حدیث کے طرق اور اسانید میں تتبع (غور و فکر) کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے۔

---

(۱) جیسے امام مسلم رحمہ اللہ حدیث کی دو سندیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ثم ذكر بمثله

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے نام اور والد کے نام میں شدید اختلاف ہے۔ تقریباً 30 اقوال ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ کے بقول اصح قول یہ ہے کہ آپ کا نام مع ولدیت عبدالرحمن بن صخر ہے 59 ھ میں آپ کا وصال ہوا جنت البقیع میں آپ مدفون ہوئے آپ نے جو احادیث نبی ﷺ سے روایت کی ہیں انکی تعداد 5374 ہے۔

(۳) یعنی شاہد کا اطلاق متابع پر اور متابع کا اطلاق شاہد پر کیا جاتا ہے۔

(۴) کیونکہ مقصود ہے متابَع (باء کے فتحہ کے ساتھ) کی حدیث کو تقویت دینا اور یہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے حاصل ہو جاتا ہے چاہے اسکو متابِع (باء کے کسرہ کے ساتھ) کہا جائے یا شاہد۔

فصل:

حدیث کی اصل اقسام تین ہیں: ا۔صحیح ۲۔ حسن ۳۔ضعیف (۱)

سب سے بلند مرتبہ صحیح کا ہے سب سے کم تر درجہ ضعیف کا ہے جبکہ حسن کا مرتبہ ان دونوں کے درمیان ہے اور باقی تمام اقسام جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہوا ہے وہ سب ان تین میں داخل ہیں حدیث ضعیف کے سوا ان مین سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔

تو یوں اصل حدیث کی کل پانچ قسمیں بنتی ہیں۔

(۱) حدیث صحیح لذاتہ کی تعریف:

جس کے تمام راوی عادل تام الضبط ہوں سند متصل ہو شاذ (۲) اور معلل نہ ہو نیز یہ صفات علی وجہ الکمال والتمام پائی جائیں۔

(۲) حدیث صحیح لغیرہٖ کی تعریف:

وہ حدیث جس میں صفت تام الضبط کے سوا باقی تمام صفات ''صحیح لذاتہ'' کی پائی جائیں اور پھر ضبط کی کمی کثرت طرق سے پوری ہو جائے۔

(۳) حسن لذاتہ کی تعریف:

جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا ''صحیح لذاتہ'' کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی کثرت طرق سے پوری نہ ہو۔

---

(۱) وجہ حصر: حدیث دو حال سے خالی نہیں۔وہ صفاتِ قبول پر مشتمل ہو گی یا نہیں بصورت ثانی حدیث ضعیف بصورت اول دو حال سے خالی نہیں کہ صفات قبول علی وجہ الاتم پائی جائیں گی یا علی وجہ النقصان بصورت اول حدیث صحیح بصورت ثانی حدیث حسن۔

(۲) ''منکر بھی نہ ہو'' یہ قید لگانے کی ضرورت نہیں کیونکہ عادل تام الضبط کی قید سے یہ خارج ہو جاتی ہے۔فافہم

(۴) حسن لغیرہ کی تعریف:

وہ حدیث جس میں ''صحیح لذاتہ'' کی کچھ صفات یا تمام صفات مفقود ہوں لیکن یہ نقصان کثرت طرق سے پورا ہو جائے۔

(۵) حدیث ضعیف:

وہ حدیث جس میں صحیح لذاتہ کی کچھ صفات یا تمام صفات مفقود ہوں اور یہ نقصان کثرت طرق سے پورا نہ ہو۔

یاد رہے علماء اصول حدیث کے اس قسم کے کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث حسن (لذاتہ) کا صحیح کی جملہ صفات سے قاصر ہو جانا جائز ہے (۱) لیکن محققین (علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی بات کی شرح نخبۃ الفکر میں تصریح کی ہے) کی تحقیق یہ ہے کہ حدیث حسن (لذاتہ) میں صرف خفۃ ضبط (قلت ضبط) کا اعتبار ہے باقی تمام صفات (اربعہ) اپنے حال پر باقی ہیں (۲)۔

عدالت کی تعریف:

انسان میں وہ ملکہ جو اس کو تقویٰ اور مروت پر آمادہ کرے۔

تقویٰ کی تعریف:

شرک (خفی ہو یا جلی) فسق، بدعت وغیرہ جیسے برے اعمال سے اجتناب کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں (۳)۔

---

(۱) یعنی حدیث حسن لذاتہ وہ بھی ہو سکتی ہے جس میں صحیح کی تمام صفات (اتصال، عدالت، کمال ضبط، عدم شذوذ، عدم علت) نہ پائی جائیں۔

(۲) یعنی صحیح لذاتہ کی صفات خمسہ میں سے صرف ایک صفت (قلت ضبط) حسن لذاتہ میں نہیں ہوتی باقی چاروں صفات پائی جاتی ہیں۔

(۳) شرعاً اوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔

کیا صغیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا بھی تقویٰ کی تعریف میں داخل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

مختار قول یہ ہے کہ داخل نہیں کیونکہ اس سے بچنا طاقت سے باہر ہے البتہ صغیرہ پر اصرار (ڈٹ جانا) کرنے سے بچنا تقویٰ میں داخل ہے اس لیے کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب، داخل تقویٰ ہے۔

مروۃ سے مراد ہے ان خسائس (گھٹیا کام) اور نقائص سے دوری اختیار کرنا جو مقتضی همة کے خلاف ہوں جیسے بازار میں سر عام کھانا پینا، راستے میں پیشاب کرنا، یا اس طرح کے دیگر امور (مثلاً سر ڈھانپے بغیر چلنا پھرنا، ننگے پاؤں چلنا، حکایات مضحکہ کثرت سے بیان کرنا) یہ سب امور اگرچہ مباح ہیں لیکن مروۃ انسانی وکمال رجولیۃ کے خلاف ہیں۔

نوٹ: معلوم ہونا چاہیے کہ ایک وہ عدالت ہے جو روایت میں معتبر ہے اور ایک وہ عدالت ہے جو شہادت میں معتبر ہے ان دونوں میں کئی اعتبار سے فرق ہے (۱) جن میں سے ایک یہ ہے کہ عدالت روایت عدالت شہادت سے عام ہے کیونکہ عدالت شہادت صرف آزاد کے ساتھ مخصوص ہے (۲) جب کہ عدالت روایت عام ہے آزاد اور غلام دونوں کو شامل ہے۔

ضبط:

اس سے مراد یہ ہے کہ (راوی کا اپنے شیخ سے) سنی ہوئی چیز کو ضائع اور مختل ہونے سے اس طرح محفوظ اور ثابت رکھنا کہ بوقت ضرورت اس کو مستحضر کرنے پر قادر ہو۔

---

(۱) حضرت سیدنا امام جلال الدین سیوطیؒ نے عدل شہادۃ اور عدل روایۃ کے درمیان اکیس (21) فرق تفصیلاً ذکر فرمائے ہیں۔ انظر تدریب الراوی

(۲) کیوں کہ شہادت میں ولایت شرط ہے اور ولایت آزاد کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غلام کے ساتھ۔

ضبط کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ضبط صدر　　(۲) ضبط کتاب

(۱) ضبط صدر:

دل (ذہن) میں کسی شئی کو یاد کر کے محفوظ کر لینا۔

(۲) ضبط کتاب:

راوی نے اپنی تمام مروی احادیث کو کتاب میں لکھ لیا ہو اور یہ کتاب اس کے پاس ادا کرنے تک (یعنی طلباءِ حدیث کو حدیث پہنچانے کے وقت تک) محفوظ و مأمون رہے۔

فصل:

عدالت کے ساتھ متعلقہ اسباب طعن پانچ ہیں (۱)

۱۔کذب ۲۔اتہام کذب ۳۔فسق ۴۔ جہالت ۵۔بدعۃ

ان سب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) کذب:

کذب راوی سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبویﷺ میں راوی کا جھوٹ ثابت ہو جائے چاہے وہ اقرار کرے (۲) (کہ میں نے جھوٹ بولا ہے اور میں نے حدیث ازخود گھڑی ہے) یا اس کے علاوہ دیگر قرائن سے اس کا جھوٹ معلوم ہو جائے (۳) اور جو راوی جھوٹ کے ساتھ مطعون کیا جائے اس کی حدیث کو ''موضوع'' کہتے ہیں۔

جس شخص کا حدیث نبویﷺ میں جان بوجھ کر جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے اسکی حدیث کبھی قبول نہیں ہو گی چاہے زندگی میں ایک ہی دفعہ (حدیث میں) جھوٹ واقع ہوا ہو اگر چہ اس نے اس سے توبہ بھی کر لی ہو، برخلاف جھوٹے گواہ کے کہ اسکی گواہی توبہ کر لینے کے بعد معتبر ہوتی ہے۔

---

(۱) یعنی ان امور کا بیان کہ ان میں سے کوئی ایک یا تمام اگر کسی مرد میں پائے جائیں تو وہ عادل نہیں ہوتا۔

(۲) جیسے عمر بن صبیح کا قول ہے'' انا وضعت خطبة النبی ﷺ التی نسبها الیه البخاری فی تاریخه الاوسط ''۔

نبیﷺ کا وہ خطبہ جس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''التاریخ الاوسط'' میں نبیﷺ کی طرف منسوب کیا ہے وہ میں نے گھڑا ہے۔

(۳) شیخ الحنفیہ حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ الباری نے اپنی کتاب '' الموضوعات الکبیر '' کے خاتمہ میں ان قرائن کو شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا ہے (فانظرہ ھناک)۔

محدثین کی اصطلاح میں ''موضوع حدیث'' سے یہی مراد ہے (کہ ایک حدیث جو نبی ﷺ سے صادر نہیں ہوئی اسکی روایت آپ سے عمداً بطور جھوٹ کرنا) اور یہ مراد نہیں کہ بالخصوص اسی حدیث میں اسکا جھوٹ ثابت اور معلوم ہے اور یہ مسئلہ (یعنی اقرار یا قرائن سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہوتا ہے) ظنی ہے۔

اور حدیث موضوع پر افتراء و وضع کا حکم قطعی اور یقینی طور پر نہیں بلکہ ظن غالب (اعتقاد راجح) کے طور پر ہوگا۔ کیونکہ بڑے بڑے جھوٹ بولنے والا کبھی کبھار سچ بھی بول جاتا ہے ہماری اس تقریر سے دور ہوگیا وہ اعتراض جو علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

اعتراض: یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ واضع کے اقرار سے حدیث کے موضوع ہونے کی معرفت (یقیناً) حاصل ہو جائے گی یہ بات غلط ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جھوٹا اقرار کر رہا ہو اور حدیث صحیح ہو۔

جواب: ہم نے کب کہا ہے کہ قطعی اور یقینی طور پر وہ اپنے اس اقرار میں سچا ہے لیکن بطور ظن غالب اس کا اپنے اس اقرار میں سچا ہونا تو معلوم ہوسکتا ہے (۱) تو ہم نے ظن غالب کی بنا پر اسکے اقرار کو تسلیم کیا ہے ورنہ قتل کے اقرار کرنے والے قاتل کو قتل نہ کیا جائے، اسی طرح شادی شدہ آدمی کو زناء کا اعتراف کرنے سے رجم نہ کیا جائے حالانکہ ان کو ظن غالب کی بناء پر قتل و رجم کیا جاتا ہے باوجودیکہ ان کے اقرار و اعتراف میں کذب کا احتمال موجود ہوتا ہے فافہم (۲)

---

(۱) جیسا کہ ہم چند سطور پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ حدیث موضوع پر وضع و افتراء کا حکم قطعی اور یقینی طور پر نہیں بلکہ ظن غالب کے طور پر ہوگا لہٰذا امام ابن دقیق العید کے اعتراض کی تب کوئی حیثیت ہوتی تھی جب ہم کہتے کہ واضع کے اقرار کرنے سے قطعاً یقیناً وہ حدیث موضوع ہوگی ''ولا قائل بہ'' اور ظن غالب پر بہت سارے احکام کی بنیاد ہے اگر ظن غالب کا اعتبار نہ کیا جائے تو بہت سارے احکام معطل ہوسکتے ہیں۔ تفکر و تدبر

(۲) اس لفظ سے شیخ محقق رحمہ اللہ اس بحث کی دقت کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں ان شاء اللہ اگر ہماری مختصر سی تقریر کو آپ سمجھ کر پڑھ لیں تو یہ دقیت ختم ہو جائیگی ''وللہ الحمد علیہ''۔

(۲) اتهامِ کذب:

اس سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنی گفتگو میں جھوٹ کے ساتھ مشہور و معروف ہو لیکن حدیث نبوی ﷺ میں اسکا جھوٹ ثابت نہ ہو۔

اور اسی حکم میں ہے راوی کی وہ روایت جو شریعت کے مشہور و معروف ضروری قواعد کے مخالف ہو۔ کذا قیل

حدیث کی اس قسم (اتہام کذب) کو متروک کہا جاتا ہے جیسے محدثین کہتے ہیں "حدیثہ متروک" یا "فلان متروک الحدیث" (۱) ایسا شخص (یعنی جو اپنی گفتگو میں تو جھوٹ بولتا ہو لیکن حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ نہ بولتا ہو) اگر توبہ کر لے اور سچ بولنے کی علامات بھی اس سے ظاہر ہو جائیں تو اس کی روایت کردہ حدیث مقبول ہو سکتی ہے۔

اور اس سے حدیث سننا اور سن کر آگے بیان کرنا بھی جائز ہے (۲) لیکن ایسا

---

(۱) تقریب میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اذا قالوا متروک الحدیث او ذاھب الحدیث او کذاب فھو ساقط لا یکتب حدیثہ۔ یعنی جب محدثین کسی راوی کے متعلق کہیں "متروک الحدیث" یا "ذاھب الحدیث" یا کذاب الحدیث تو وہ راوی ساقط ہے اسکی حدیث نہ لکھی جائے۔ اسکی شرح تدریب میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وکذا لا یعتبر بہ ولا یستشھد یعنی اسی طرح اگر محدثین کسی راوی کے بارے میں کہیں "لا یعتبر بہ" یا "لا یستشھد بہ" تب بھی اسکی حدیث کو نہ لکھا جائے۔

(۲) حضرت امام نووی رحمہ اللہ "تقریب" میں لکھتے ہیں کہ تقبل روایۃ التائب من الفسق۔ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والے کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ اس کی شرح "تدریب الراوی" میں امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وکذا التائب من الکذب فی غیر الحدیث النبوی ﷺ۔ یعنی اپنی گفتگو میں نہ کہ حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ بولنے سے توبہ کرنے والے کی روایت قابل قبول ہوگی۔ (کیونکہ حدیث نبی ﷺ میں جھوٹ بولنے والے کی روایت مطلقاً قابل قبول نہیں ہے)۔

شخص جو کبھی کبھار اپنی گفتگو' کلام' میں جھوٹ بولتا ہو لیکن حدیث نبوی ﷺ میں اس کا جھوٹ بالکل ثابت نہ ہو تو اسکی حدیث ''کو''موضوع'' یا''متروک'' کا نام نہیں دیا جائے گا اگر چہ یہ بھی (یعنی گفتگو کرتے وقت کبھی کبھار جھوٹ بول دینا) معصیت ہے۔

(۳) فسق:

(اس کا اطلاق عمل' قول' اعتقاد تینوں پر ہوتا ہے لیکن) محدثین کی اصطلاح میں فسق سے مراد یہاں فسق فی العمل ہے جبکہ فسق فی الاعتقاد بدعت میں داخل ہے (جس کا ذکر تفصیل سے آگے آرہا ہے) کیونکہ بدعت کا زیادہ تر استعمال اعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے اور کذب اگر چہ فسق میں داخل ہے لیکن اس کو علیحدہ مستقل عنوان سے اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ شدید طعن اور سخت عیب شمار ہوتا ہے۔

(۴) جہالت راوی:

یہ بھی حدیث میں طعن کا ایک سبب ہے کیونکہ جب راوی کا نام اور ذات معلوم نہیں ہوگی تو اسکا حال بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ جیسے کوئی راوی کہے'' حدثنی رجل '' یا کہے'' اخبرنی شیخ ''۔اس کی روایت کو مبہم کہتے ہیں اور مبہم کی حدیث مقبول نہیں ہے۔(۱)

مگر یہ کہ صحابی ہو کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں لیکن اگر مبہم (ھاء کے کسرہ کے ساتھ) مبہم (ھاء کے فتحہ کے ساتھ) کو لفظ تعدیل کے ساتھ ذکر کرے مثلاً وہ کہے'' اخبرنی عدل '' یا کہے''حدثنی ثقة'' تو آیا ایسی روایت قبول

---

(۱) کیونکہ حدیث کے مقبول ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ تمام راوی عادل ہوں اور جب یہاں نہ اسکی ذات معلوم ہے نہ حال تو پھر یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ یہ عادل ہے لہذا ایسی روایت مردود نا قابل قبول ہے۔

ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے (۱) اصح قول یہ ہے کہ یہ روایت بھی قبول نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اعتقاد میں عادل ہو واقع اور نفس الامر میں عادل نہ ہو لیکن اگر یہ الفاظ (یعنی حدثني ثقة یا اخبرني عدل) بولنے والا ایسا امام ہو جو فن حدیث و اصول کا ماہر ہو (۲) تو پھر یہ تعدیل وتوثیق اور روایت مقبول ہے۔

(۵) بدعۃ:

لغوی معنی ''کل شئی عمل علی غیر مثال سابق'' (نووی علی مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۵) یعنی کوئی چیز بغیر نمونے کے ایجاد کرنا۔

اصطلاحی تعریف:

اعتقاد امر محدث علی خلاف ما عرف فی الدین وما جاء عن رسول ﷺ واصحابه بنوع شبهة وتاويل لا بطريق جحود و انكار فان ذالك كفر۔

ترجمہ: ایسے نئے امر کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا جو دین کے مشہور ومعروف قواعد اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول تعلیمات اور احادیث واخبار کے مخالف ہو بشرطیکہ یہ اعتقاد کسی باطل دلیل یا تاویل پر مبنی ہو بطریق انکار وجحود نہ ہو کیونکہ یہ کفر ہے۔

---

(۱) اس کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا اور اصح قول تو وہی ہے جو اوپر متن میں ہے۔ قول ثانی: مطلقاً قبول نہیں چاہے تعدیل وتوثیق کرنے والا امام حاذق کیوں نہ ہو۔ یہ مذہب خطیب بغدادی اور امام صیرفی کا ہے۔ قول ثالث: ایسی روایت مقبول ہے۔ ابن الصباغ نے اپنی کتاب ''العدۃ'' میں یہ قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

(۱) مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابن القطان، امام یحییٰ بن معین، امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابویوسف رضی اللہ عنہم۔

امام محمد رحمہ اللہ ظاہر الروایۃ میں اکثر کہتے ہیں ''حدثني ثقة'' یا ''قال ثقة'' اور اس سے مراد وہ امام ابویوسف لیتے ہیں۔

بدعتی کی روایت کا حکم:

اس کے حکم میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اول:

جمہور کے نزدیک بدعتی کی روایت مردود اور نا قابل قبول ہے۔

قول ثانی:

بعض محدثین (مثلاً بخاری و مسلم) کے نزدیک مقبول ہے بشرطیکہ روایت میں موصوف بالصدق ہو اور جھوٹ سے اپنی زبان محفوظ رکھتا ہو۔

قول ثالث:

(حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے شرح نخبۃ الفکر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے) بعض محدثین فرماتے ہیں اگر وہ بدعتی کسی ایسے امر شرعی (۱) متواتر کا انکاری ہو جس کا ضروریات دین میں سے ہونا بداھۃً معلوم ہو چکا ہو تو اسکی روایت مردود ہے ورنہ مقبول ہے اگر چہ اس کے مخالفین اسکی تکفیر بھی کر دیں بشرطیکہ ضبط، ورع، تقویٰ، احتیاط، صیانۃ کے ساتھ موصوف ہو۔

قول رابع:

اور یہی قول پسندیدہ و مختار ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کی جانب دعوت دیتا ہے اور اس کی ترویج کرتا ہے تو اس کی روایت مردود اور نا قابل قبول ہو گی ورنہ اسکی روایت قابل قبول ہو گی بشرطیکہ ایسی چیز روایت نہ کرے جس سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو، ورنہ (اگر ایسی چیز روایت کرتا ہے تو) ایسی روایت قطعی اور یقینی طور پر مردود ہے۔

---

(۱) مثلاً وہ ختم نبوت ﷺ کا انکار کر دے یا پانچ مقررہ نمازوں کا انکار کر دے یا زکوۃ و صوم کا انکار کر دے وغیرہ۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ اہل بدعت اور اہل اہواء اور حق سے ہٹے ہوئے مذاہب والوں کی روایت لینے میں آئمہ حدیث مختلف ہیں صاحب جامع الاصول (۱) فرماتے ہیں آئمہ حدیث (مثلاً صحاح ستہ کے مصنفین) کی ایک جماعت نے خوارج، روافض، قدری، اہل تشیع اور بعض اصحاب بدعت و ہوا سے اخذ حدیث کیا ہے جبکہ دوسری جماعت (مثلاً امام مالک اور آپ کے متبعین اور امام باقلانی اور آپ کے متبعین) نے احتیاط کی ہے اور ان بدعتی فرقوں سے حدیث لینے سے اجتناب کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی نیت ہے۔

اور بلاشبہ تحری (غور وفکر) واستصواب کے بعد ہی آئمہ نے ان بدعتی فرقوں سے حدیث لی ہے (آنکھیں بند کر کے نہیں لی)۔ مگر اس کے باوجود احتیاط اسی میں ہے کہ ان سے حدیث (قطعاً) نہ لی جائے۔ کیونکہ یہ بات تو قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ بدعتی فرقوں والے اپنے مذاہب باطلہ کو ترویج دینے کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے۔

اور توبہ اور رجوع کے بعد اقرار بھی کرتے تھے (کہ ہم نے اتنی احادیث گھڑی تھیں) (۲)۔

---

(۱) علامہ فہامہ المحدث ابو السعادات مبارک بن ابی المکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم الشیبانی الجزری صاحب جامع الاصول وکتاب النہایہ فی غریب الحدیث دونوں کتابیں مطبوعہ ہیں۔ اور 606ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(۲) جیسے امام مہدی فرماتے ہیں ایک زندیق نے میرے پاس آکر اقرار کیا ہے کہ میں نے 100 احادیث گھڑی ہیں جو لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت گھوم رہی ہیں۔

امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ جب عبد الکریم بن العوجاء کو گرفتار کیا گیا تو حمد بن سلیمان نے اسکے قتل کا حکم جاری کیا تو وہ کہنے لگا میں نے تم میں 4000 ہزار احادیث گھڑی ہیں اور میں نے ان احادیث میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

بدعت کی تحقیق:(۱)

چار چیزیں مشروع ہیں۔

(۱)فرض (۲)واجب (۳)سنت (۴)نفل ومندوب۔

دلیل حصر:

جس کا کرنا اولی ہے اسکے ترک سے۔

اسکی دوصورتیں ہیں۔

(۱)اس کا ترک کرنا ممنوع ہوگا یا غیر ممنوع۔

صورت اول کی پھر دوقسمیں ہیں یا اسکا ثبوت دلیل قطعی سے ہوگا یا دلیل ظنی سے۔

بصورت اول فرض بصورت ثانی واجب۔

اور اگر ترک غیر ممنوع ہوتو اسکی بھی دوصورتیں ہیں۔

وہ کلام ایسا ہوگا کہ اس پر حضور ﷺ یا خلفاء راشدین نے آپکے بعد مواظبت فرمائی ہوگی یا نہیں۔ بصورت اول، سنت بصورت ثانی، مندوب، نفل۔

بدعت کی تعریف اول:

ایسا کام کرنا جسکی اصل قرآن وسنت اور قرون مشہور لھا بالخیر میں نہ ہو، اس کو دین اور ثواب سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت کہلائے گا۔

۱۔ بدعت کی یہ تحقیق اگرچہ حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ کے مقدمہ میں نہیں ہے لیکن ہم نے موقع کی مناسبت سے اسے یہاں درج کر دیا ہے اور یاد رہے کہ یہ تحقیق ہمیں استاذ محترم قبلہ شیخ الحدیث علامہ حافظ خادم حسین رضوی زید مجدہٗ نے سنن ابوداؤد شریف پڑھاتے وقت لکھوائی تھی اور فقیر نے ملخصاً یہاں نقل کر دی ہے۔ اللہ تعالی میرے استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔

بدعت کی تعریف ثانی:

بدعت وہ چیز ہے جس کو ایجاد کیا جائے اس حق بات کے مقابلے میں جو نبی سے ثابت ہو خواہ وہ علم ہو یا کوئی حال ہو کسی دلیل سے نہیں بلکہ شبہ اور ظن کی وجہ سے اسکے ساتھ ساتھ اسے دین اور صراط مستقیم بھی کہا جائے۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعت ھدیٰ (۲) بدعت ضلالہ

(۱) بدعت ھدیٰ:

وہ بدعت ہے جسکی طرف نبی ﷺ نے دعوت اور ترغیب دی ہو جیسے مسلم شریف میں ہے من سن فی الاسلام سنة حسنة۔

اس لیے امام ربانی بدعة ھدی اور بدعة حسنہ کو بھی نہیں مانتے انکے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سنت کے تحت داخل ہے وہ بدعت ہے ہی نہیں۔

(۲) بدعة ضلالہ:

جو بغیر کسی نمونہ اور مثال کے ایجاد کی گئی ہو اور تاریخ اسلام میں کہیں نہ ملتی ہو۔

بدعة کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) حرام:

جیسے خوارج، معتزلہ، روافض اور منکرین حدیث کا نیا اسلام بنانا۔

(۲) بدعة واجبہ:

جیسے باطل فرقوں کے لیے کتب دیکھنا، علم صرف سیکھنا، علم نحو سیکھنا، اسی طرح وہ علوم سیکھنا جو معاون اسلام و حدیث ہوں۔

۳) بدعۃ مندوبہ:

جیسے مدارس قائم کرنا اور ہر وہ اچھا کام کرنا جو قرون اولیٰ میں نہ ہو۔

۴) بدعۃ مکروہہ:

جیسے مساجد کو بہت خوبصورت بنانا۔

۵) بدعۃ مباحۃ:

جیسے اچھے اچھے کھانے کھانا۔

فصل:

ضبط کے ساتھ متعلقہ اسباب طعن پانچ ہیں (۱)۔

(۱) فرط غفلت (۲) کثرۃ غلط (۳) مخالفۃ ثقات (۴) وہم (۵) سوءِ حفظ

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) فرط غفلت:

اس سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنی مرویات کے بارے میں اتنا زیادہ غفلت کا شکار ہو جائے کہ دوسروں کی تلقین قبول کر لے کہ دوسرا جو بتا دے کہ تو نے یہ سنا تھا وہی مان لے۔

(۲) کثرۃ غلط:

اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث میں راوی کی صواب و درستگی کی بنسبت غلطیاں زیادہ ہوں یا مساوی ہوں اس بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ فرط غفلت اور کثرت غلط قریب قریب ایک ہی معنی میں ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ فرط غفلت سماع اور تحمل حدیث میں ہوتا ہے جبکہ کثرت غلط سنانے اور ادائیگی کے وقت ہوتا ہے۔

(۳) مخالفۃ ثقات:

مخالفت سند میں ہو یا متن میں ہو اس کی متعدد اقسام ہیں جو موجب شذوذ ہیں۔

سوال:

مخالفت ثقات کو ضبط کے ساتھ تعلق رکھنے والے طعن کے وجوہ میں کیوں قرار دیا گیا ہے، عدالت کے ساتھ تعلق رکھنے والے طعن کے وجوہ میں کیوں قرار نہیں دیا گیا؟

---

(۱) یعنی ان امور کا بیان کہ ان میں سے کوئی ایک یا تمام اگر کسی مرد میں پائے جائیں تو وہ ضابط نہیں ہوتا۔

جواب:

مخالفۃ ثقات کو ضبط کے ساتھ تعلق رکھنے والے طعن کے وجوہ میں اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ مخالفت ثقات پر برانگیختہ کرنے والا امر ضبط وحفظ کا فقدان اور تغییر و تبدیل سے محفوظ نہ ہونا ہے۔

(تو مخالفت ثقات میں اصل سبب عدم ضبط ہے نہ کہ عدم عدالت، عدم عدالت والے طعن گزر چکے ہیں فصل ہذا میں عدم ضبط کے طعن کی وجوہ بیان ہو رہی ہے اور مخالفت ثقات بھی عدم ضبط ہی کی علامت ہے اس لیے اسکو عدم ضبط ہی کی وجوہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ تدبر)

(۴) وہم:

ضبط کے ساتھ تعلق رکھنے والی وجوہ میں سے ایک وہم ونسیان بھی ہے جس کے سبب راوی کو خطا لاحق ہو جاتی ہے اور وہ روایت حدیث کو توھم کے طریقے پر روایت کرتا ہے، اگر اس کے توہم پر ایسے قرائن سے اطلاع حاصل ہو جائے جو اسباب اور وجوہ علل پر دلالت کریں تو ایسی حدیث کو حدیث معلل کہتے ہیں۔

اور یہ (یعنی حدیث کی علل پر مطلع ہونا) حدیث کے علوم (۱) میں سے سب سے پیچیدہ اور مشکل ترین علم ہے۔ اور اس کا بیڑہ وہی اٹھا سکتا ہے جس کو رب ذوالجلال نے روشن سوچ اور وسیع حافظہ اور راویوں کے مراتب اور اسانید ومتون کے احوال پر مکمل معرفت اور قابلیت عطا فرمائی ہوئے جیسے متقدمین میں سے ارباب فکر ودانش (۲) یہاں

---

(۱) علامہ ملا علی القاری، ابن الصلاح، امام نووی، زین الدین عراقی، ان سب کے بقول علوم حدیث 65 ہیں حافظ جلال الدین سیوطی کے بقول 89 جبکہ حافظ حازمی کے بقول 100 ہیں۔(۱۲)

(۲) مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ، امام بخاری، علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یعقوب بن ابی شیبہ، ابو حاتم، دار قطنی، یحیٰی بن معین رضی اللہ عنہ۔

تک کہ امام دار قطنی (۱) پر یہ کمال منتھی ہو گیا اور کہا جاتا ہے ان کے بعد اس فن میں ان جیسا کوئی نہیں آیا۔ واللہ اعلم۔

(۵) سوء حفظ:

(راوی کا بد حافظہ ہونا) محدثین کے بقول بد حافظہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی درستگی خطا پر غالب نہ ہو (بلکہ خطائیں زیادہ ہوں) اور اس کا حفظ و اتقان اسکے سہو و نسیان سے زیادہ نہ ہو (شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں) یعنی اس کی خطأ و نسیان صواب واتقان سے زیادہ یا برابر نہ ہوں تو وہ سوءِ حفظ میں داخل ہے (وگرنہ یعنی اس کی خطاو نسیان صواب واتقان سے کم ہوں تو وہ سوءِ حفظ میں داخل نہیں) لہذا معتمد علیہ یہ ہے کہ راوی کی صواب واتقان زیادہ ہوں (بنسبت خطاونسیان کے)۔

سوءِ حفظ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) لازم (۲) طاری

(۱) لازم:

وہ ہے جو تمام احوال تمام اوقات اور پوری عمر میں پایا جائے یوں کہ وہ راوی سے منفک نہ ہو۔

حکم:

ایسے راوی کی حدیثیں بالکل معتبر نہیں ہیں۔

جبکہ کچھ محدثین کے نزدیک (جو شاذ میں مخالفت شرط نہیں لگاتے) یہ بھی شاذ میں داخل ہے۔

---

(۱) حافظ امام علامہ ابوالحسن علی بن عمر الدار قطنی (راء کے فتحہ کے ساتھ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ) صاحب السنن والعلل والغرائب 385ھ میں آپکا وصال ہوا۔

یادر ہے کہ امام دار قطنی کی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر جرح مردود ہے جیسا کہ ہم نے اپنے مقالہ میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلَيْهِ

(۲) طاری:

پہلے راوی بد حافظہ نہیں تھا بلکہ بعد میں کسی عارضہ کے سبب ہو گیا مثلاً بڑھاپے کی وجہ (۱) سے یا نابینا (۲) ہو جانے کی وجہ سے یا کتابیں ضائع ہو جانے کی وجہ سے اسکا حافظہ مختل ہو گیا (۳) ایسے راوی کو مختلط (لام کے کسرہ کے ساتھ) کہا جاتا ہے۔

مختلط کی روایت کا حکم: (۴)

اگر قبل الاختلاط اور بعد الاختلاط میں امتیاز کر سکتا ہے تو قبل الاختلاط تمام روایات مقبول ہوں گی وگرنہ توقف کیا جائے گا (یعنی وہ روایات نہ مقبول ہوں گی نہ مردود) اور اگر اشتباہ ہو (یعنی اسے پتہ چل سکے کہ قبل الاختلاط کونسی ہیں اور بعد الاختلاط کونسی ہیں) تب بھی توقف کیا جائے گا۔

اگر مختلط کی روایات کے متابعات اور شواھد مل جائیں تو مقبول ہو جائیں گی۔

مستور مدلس اور مرسل احادیث کا بھی یہی حکم ہے (کہ اگر ان کے متابعات و شواھد مل جائیں تو یہ بھی درجہ قبول کو پہنچ جاتی ہیں)۔

---

(۱) جیسے امام عبدالرزاق صاحب مصنف ہو گئے تھے۔

(۲) امام ذھبی کے بارے میں بھی یہ قول ملتا ہے، اگر چہ وہ خود نہیں مانتے تھے۔

(۳) جیسے ابن لہیعہ کیونکہ ان کی کتابیں جل گئی تھیں بعد میں حافظہ کے زور پر بیان کرنے لگ گئے تھے جس کی وجہ سے عندالمحدثین ضعیف ٹھہرے۔

(۴) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں چار احتمال ہیں۔(۱) اختلاط سے پہلے جو احادیث بیان کی تھیں صرف ان احادیث کا مختلط کو علم ہے۔(۲) اختلاط کے بعد جو احادیث بیان کی تھیں صرف ان احادیث کا مختلط کو پتہ ہے۔(۳) یا دونوں حالتیں قبل الاختلاط اور بعد الاختلاط کی احادیث کو جانتا ہے۔(۴) یا بالکل اسے پتہ ہی نہیں کہ قبل الاختلاط کون سی احادیث ہیں اور بعد الاختلاط کون سی ہیں۔ بصورت اول روایات قابل قبول ہیں بصورت ثانی روایات مردود ہیں بصورت رابع قبول کرنے سے توقف کیا جائے گا بصورت ثالث قبل الاختلاط کی صرف تمیز کر سکتا ہے یا بعد الاختلاط کی صرف تمیز کر سکتا ہے یا بالکل پتہ ہی نہیں اول کا حکم صورت اول والا ہے ثانی کا حکم صورت ثانی والا ہے ثالث کا حکم صورت رابع والا ہے۔تفکر فی ھذا المقام فانہ من مزال الاقدام۔

فصل:

حدیث غریب:

حدیث صحیح کا اگر راوی ایک ہو تو اسکو حدیث غریب کہتے ہیں۔

حدیث عزیز:

حدیث صحیح کے اگر دو راوی ہوں تو اسکو حدیث عزیز کہتے ہیں۔

حدیث مشہور:

اگر راوی دو سے زائد ہیں تو اسکو (عندالمحدثین) حدیث مشہور اور (عندالفقہاء) حدیث مستفیض کہتے ہیں۔

متواتر۔

اگر حدیث کے راوی اتنے زیادہ ہیں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو تو اسکو حدیث متواتر کہتے ہیں۔

یاد رہے حدیث غریب کا دوسرا نام ''فرد'' بھی ہے۔

نوٹ: حدیث غریب کی تعریف میں ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اسکا راوی ایک ہو اگر بعض مقامات پر ایک ہو اور بعض پر ایک سے زیادہ ہوں تو اسکو ''فرد نسبی'' کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہر مقام پر (یعنی ہر طبقہ میں) ایک ہی راوی ہو تو اسکو ''فرد مطلق'' کہتے ہیں۔

فائدہ:

حدیث عزیز میں راویوں کے دو ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر مقام (ہر طبقہ میں) پر دو راوی ہوں اگر کسی مقام میں ایک رہ گیا تو وہ حدیث عزیز کی بجائے غریب ہو جائے گی۔ اسی طرح حدیث مشہور میں دو سے زائد راویوں کے ہونے کا مطلب یہ ہے

کہ سند کے ہر مقام پر (ہر طبقہ میں) دو سے زائد ہوں، اگر کسی مقام پر دو رہ گئے تو وہ حدیث عزیز ہو جائے گی اگر ایک رہ گیا ہو تو حدیث غریب ہو جائے گی۔

محدثین کے قول " الاقل حاکم علی الاکثر فی هذا الفن "یعنی" اس فن میں اقل اکثر پر غالب ہے" کا مطلب بھی یہی ہے۔ فافهم

ان قسموں (بالخصوص حدیث غریب کی تعریف) سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ غرابۃ (حدیث کا غریب ہونا) صحت کے منافی نہیں ہے۔

بلکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث صحیح بھی ہو اور غریب بھی ہو بایں صورت کہ اسکی سند کے تمام راوی ثقہ ہوں (تو حدیث صحیح ہوگی اور اگر ہر طبقہ میں ایک ایک راوی ہو تو غریب ہوگی لہٰذا صحت، غرابت کے منافی نہیں ہے)

اور کبھی غریب بمعنی شاذ بھی آتا ہے یعنی وہ شاذ جو طعن فی الحدیث کی قسم ہے (جس کا مطلب ہے وہ حدیث جس کو ثقات راویوں کی روایت کردہ حدیث کے مخالف روایت کیا جائے)۔

اور امام بغوی (۱) صاحب مصابیح (۲) السنۃ رحمہ اللہ اپنی اس کتاب میں "هذا حديث غريب" کہتے ہیں تو انکی بھی غریب سے مراد شاذ ہوتی ہے بشرطیکہ یہ لفظ وہ علی سبیل الطعن کہیں کچھ محدثین (مثلاً حاکم اور امام نووی نے اس قول کو ایک

(۱) امام علامہ محدث محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی آپ رحمہ اللہ حدیث وفقہ میں ماہر تھے جب آپ رضی اللہ عنہ اپنی مبارک کتاب شرح السنۃ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو رات کو آپ نبی ﷺ کی زیارت پاک سے مشرف ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "احییت سنتی " اے بغوی تو نے میری سنت کو زندہ کر دیا ہے اسکے بعد آپکا لقب " محی السنۃ" ہو گیا۔ 516ھ کو آپ کا وصال ہوا۔

(۲) اس کتاب کا مفصل تذکرہ ہمارے مقدمہ میں ہو چکا ہے۔

جماعت کی طرف منسوب کیا ہے) مخالفۃ ثقات کا اعتبار کیے بغیر متفرد راوی کی روایت کو بھی شاذ کہتے ہیں یعنی حدیث غریب ہی کو شاذ کہتے ہیں۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں" هذا حديث صحيح شاذ (غریب) " هذا حديث صحيح غير شاذ (بلکہ عزیز ہے یا مشہور) شذوذ اس معنی (یعنی راوی کا تنہا حدیث کو روایت کرنا) کے لحاظ سے بھی صحت کے منافی نہیں ہے۔ جیسے غرابۃ (صحت کے منافی نہیں ہے) لیکن وہ شذوذ جسکا مقام طعن میں ذکر کیا گیا (یعنی کسی راوی کا ثقات راویوں کے مخالف حدیث روایت کرنا) یہ ضرور صحت کے منافی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

حدیث ضعیف:

حدیث صحیح یا حدیث حسن میں جو شرائط ضروری ہیں وہ سب شرائط یا بعض جس حدیث میں نہ پائی جائیں نیز شذوذ و نکارۃ (۱) کی وجہ سے اس حدیث کے راوی کی مذمت بھی کی گئی ہو ایسے راوی کی حدیث کو حدیث ضعیف کہتے ہیں۔

اس اعتبار سے حدیث ضعیف کی اقسام متعدد بنتی ہیں (۲) اور افراد و ترکیب (۳) کے لحاظ سے بھی بکثرت اقسام بنتی ہیں اسی طرح صحیح لذاتہ صحیح لغیرہ حسن لذاتہ حسن لغیرہ کے مراتب بھی متفاوت ہوتے ہیں ان کے مفہوم میں معتبر صفات کاملہ کے مراتب و درجات متفاوت ہونے کی وجہ سے، باوجود یکہ اصل صحۃ و حسن میں دونوں مشترک ہوتے ہیں (۴) اور قوم (محدثین) نے مراتب صحۃ کو معین کر دیا ہے اور ان کی امثلہ یعنی اسانید کو بھی انہوں نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اسم عدالۃ و ضبط تمام رجال (ثقات و متقنین) کو شامل ہے (یعنی سب ثقہ راوی عادل و ضابط ہیں)۔ لیکن بعض کا درجہ بعض سے بلند ہے۔

---

(۱) یعنی یہ کہا جائے کہ یہ راوی شاذ اور منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔

(۲) چنانچہ حافظ ابن صلاح اور ابن حبان رحمہما اللہ نے حدیث ضعیف کی 49 قسمیں بتائی ہیں جبکہ حافظ زین الدین عراقی نے 42 بتائی ہیں اور علامہ شرف الدین المناوی رحمہ اللہ نے 119 بتائی ہیں۔ انظر کوثر النبی للفرھاروی

(۳) افراد کا معنی ہے حدیث صحیح یا حدیث حسن کی کوئی ایک شرط مفقود ہو اور ترکیب کا معنی ہے تمام شرائط یکبارگی مفقود ہوں۔

(۴) مثال کے طور پر ایک حدیث امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک مشہور ہو اور وہی حدیث امام بخاری کے نزدیک غریب و فرد ہو اب اگرچہ اصل صحۃ میں دونوں مشترک ہیں مگر مسلم کی حدیث کو ترجیح ہو گی کیونکہ حدیث مشہور کا درجہ حدیث غریب سے بلند ہوتا ہے۔ باقی مثالوں کو بھی اسی پر قیاس کریں۔

سوال: کیا کسی مخصوص سند پر مطلقاً اصح الاسانید کا اطلاق کرنا درست ہے؟

جواب: ہاں درست ہے، مگر کون سی ہے اس میں اختلاف ہے۔ کچھ محدثین (ابن ابی شیبہ وعبدالرزاق) کہتے ہیں اصح الاسانید زین العابدین (۱) عن ابیہ (۲) عن جدہ (۳) ہے جبکہ کچھ محدثین (اس سے مراد امام بخاری ہیں) کہتے ہیں کہ مالک (۴) عن نافع (۵) عن ابن عمر (۶) اصح الاسانید ہے۔

---

(۱) امام علامہ سید السادات زاہدوں کے سردار ابوالحسن زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ 94ھ میں آپکا وصال ہوا۔

(۲) امام سید السادات سید الشہداء سبط رسول اللہ ﷺ ابوعبداللہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ 4ھ میں آپ پیدا ہوئے اور کربلا میں 61ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تا قیامت لعنت فرمائے ان لوگوں پر جنہوں نے آپکو شہید کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان سے آٹھ احادیث روایت کی ہیں۔

(۳) اسد اللہ الغالب صاحب المناقب الرفیعۃ ابوالحسن ابوالتراب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم آپ چوتھے خلیفہ راشد ہیں، 40ھ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا آپ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے 586 احادیث روایت کی ہیں۔

(۴) امام دار الہجرۃ ابوعبداللہ مالک بن انس آئمہ اربعہ میں دوسرے نمبر پر آپ کا مقام ہے 93ھ میں پیدا ہوئے اور 179ھ میں آپ کا وصال ہوا، جنت البقیع میں آپ مدفون ہیں۔

(۵) امام محدث کبیر نافع بن سرجس الدیلمی آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں اور انہیں سے احادیث روایت کرتے ہیں، کبار تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے 117ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(۶) سیدنا عبداللہ بن عمر القرشی العدوی آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے نہایت احتیاط اور تحری والے تھے بالخصوص احادیث نبوی کے معاملہ میں، سنۃ نبوی کی شدت سے پابندی فرماتے تھے 73ھ میں آپ کا وصال ہوا آپ کی مروی احادیث کی تعداد 1630 ہے۔

اور کچھ محدثین (امام احمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ) کہتے ہیں الزھری (۱) عن سالم (۲) عن ابن عمر اصح الاسانید ہے (شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں) حق بات یہ ہے کہ مطلقاً کسی مخصوص سند پر اصح الاسانید کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔

ہاں صحۃ میں متعدد مراتب علیا ہیں اور متعدد اسانید اسی میں داخل ہیں (اور جن اسانید پر وہ اصح الاسانید کا حکم لگاتے ہیں وہ سب ان مراتب میں داخل ہیں، فافھم)

ہاں اگر کسی قید کے ساتھ مقید کر کے یوں کہا جائے کہ فلاں شہر کے راویوں میں سے فلاں شخص کی سند دوسروں کی سند سے اصح سند ہے (مثلاً کہا جائے اصح اسانید اھل مکۃ اسماعیل عن ابی عبیدۃ عن ابی ھریرۃ) یا فلاں باب میں یا فلاں مسئلہ میں یہ مخصوص سند دیگر اسناد کے مقابلے میں صحیح ترین سند ہے تو یہ جائز ہوگا (جیسے امام ترمذی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں لا اعلم فی ھذا الباب حدیثاً لہ اسناد جید)

---

(۱) امام علامہ محدث کبیر ابو بکر محمد بن عبداللہ بن شہاب الزھری، 124 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ رحمہ اللہ بخاری ومسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔

(۲) امام علامہ فقیہ محدث سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ 106 ھ میں مدینہ منورہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔

فصل:

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ (۱) کی عادت کے بیان میں:

امام ترمذی رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ اپنی جامع (ترمذی) (۲) میں حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "حدیث حسن صحیح" حدیث غریب حسن" حدیث حسن غریب صحیح"۔

سوال: صحیح اور حسن میں تو تقابل ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان دونوں کو کیسے جمع کر دیا ہے؟

جواب: بلاشبہ حسن اور صحیح کا اجتماع اس اعتبار سے جائز اور ممکن ہے کہ حسن سے مراد حسن لذاتہ ہو اور صحیح سے مراد صحیح لغیرہ ہو۔

اسی طرح غریب اور صحیح کا اجتماع بھی بلاشبہ جائز ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم نے تفصیلاً اس کو بیان کر دیا ہے لیکن غریب اور حسن کے اجتماع میں اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث حسن میں تعدد طرق کو ضروری سمجھتے ہیں جبکہ حدیث غریب میں تو ضروری ہے کہ راوی تنہا ہو تو پھر حدیث حسن غریب کیسے ہو سکتی ہے؟

---

(۱) حافظ فقیہ امام محدث ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ 209ھ میں پیدا ہوئے اور 279ھ میں آپکا وصال ہوا آپ امام بخاری کے استاذ بھی ہیں اور شاگرد بھی ہیں اللہ کے ڈر سے اتنا روتے تھے حتی کہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے اللہ آپ پر رحمت کی بارش کا نزول فرمائے۔

(۲) الجامع الصحیح للترمذی اسکو سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے صحاح ستہ میں تیسرے نمبر پر اس کا درجہ ہے علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ کی کتاب تمام کتب سے احسن ہے، اس کا فائدہ زیادہ ہے ترتیب خوبصورت ہے تکرار بہت کم ہے نیز اس میں وہ صفات ہیں جو دیگر کتب میں نہیں ہیں مثلاً مذاہب آئمہ کا بیان وجوہ استدلال انواع حدیث کا بیان کہ حدیث حسن ہے صحیح ہے یا غریب نیز اس میں جرح و تعدیل بھی ہے اور بھی بہت صفات ہیں۔

محدثین نے اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے

کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث حسن میں تعدد طرق کا اعتبار مطلقاً نہیں بلکہ حدیث حسن کی ایک قسم میں ہے (یعنی حسن لغیرہ میں) ہر حدیث حسن میں نہیں اور جس جگہ امام ترمذی رحمہ اللہ حسن اور غریب کے اجتماع کا حکم لگاتے ہوئے کہتے ہیں "ھذا حدیث حسن غریب" تو وہاں حسن سے مراد وہ قسم ہے جس میں ان کے نزدیک تعدد طرق کا اعتبار نہیں (وہ حسن لذاتہ ہے) (۱)

بعض مشائخ (سید سند شریف جرجانی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ "ھذا حدیث حسن غریب" کہہ کر اختلاف طرق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ کچھ طرق کے اعتبار سے یہ حدیث غریب اور کچھ طرق کے اعتبار سے حسن ہے۔

اور کچھ مشائخ (علامہ ابن عبدالبر) یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے قول ھذا حدیث حسن غریب میں واؤ بمعنی اوْ ہے (۲) کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کو شک اور تردد ہوتا ہے کامل یقین نہیں ہوتا کہ حدیث غریب ہے یا حسن۔

بعض محدثین (علامہ ابن الصلاح) نے ایک یہ جواب دیا ہے کہ امام ترمذی کے قول "ھذا حدیث حسن غریب" میں حسن سے مراد حسن اصطلاحی نہیں ہے بلکہ حسن کا لغوی معنی مراد ہے اور وہ ہے "ما یمیل الیہ الطبع" "جس چیز کی طرف طبیعت کا میلان ہو"

---

(۱) خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر صرف ھذا حدیث حسن یا حسن صحیح کہیں تو اس سے تعدد طرق والا حسن (یعنی حسن لغیرہ) مراد ہے اور اگر حسن کے ساتھ غریب بھی کہیں تو پھر تعدد طرق والا حسن مراد نہیں ہوتا بلکہ ایک اور حسن مراد ہوتا ہے (اور وہ ہے حسن لذاتہ)۔

(۲) امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں کسی جگہ بھی حسن غریب کے درمیان "واؤ" کا استعمال نہیں کیا، چہ جائیکہ کوئی یہ کہے کہ یہ "واؤ" بمعنی "او" ہے، اللھم الا ان یقال واؤ محذوف ہے اور وہ محذوف "واؤ" بمعنی "او" ہے "وفیہ ما فیہ فافھم۔

لیکن یہ قول انتہائی بعید ہے (۱) (کیونکہ اس قول کے پیش نظر جب حدیث ضعیف یا موضوع حسن اللفظ ہو تو اس کو بھی حسن کہا جائے گا ولا قائل بہ)۔

---

(۱) خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کے قول ھذا حدیث حسن غریب میں اجتماع حسن و غرابۃ کے بارے میں محدثین نے چار جواب دیئے ہیں۔

جواب اول: حسن غریب کے درمیان "واؤ" مقدر ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے ایک سند کے اعتبار سے حسن ہے اور ایک سند کے اعتبار سے غریب ہے لہذا کوئی اشکال نہیں یہ جواب علامہ سید شریف جرجانیؒ نے دیا ہے۔

جواب دوم: حسن غریب، میں حسن سے مراد حسن لغوی ہے نہ کہ اصطلاحی لہذا کوئی اشکال نہیں اجتماع جائز ہے یہ جواب علامہ ابن الصلاح صاحب علوم الحدیث نے دیا ہے۔

جواب سوم: حسن غریب کے درمیان "او" مقدر ہے گویا امام ترمذی رحمہ اللہ کو شک ہے کہ یہ حدیث حسن ہے یا غریب ہے یہ جواب حافظ ابن حجر نے دیا ہے۔

جواب چہارم: منزلۃ بین المنزلتین کو ثابت کرتے ہیں یعنی یہ وہ حدیث ہے جو حسن سے اوپر اور صحیح سے نیچے ہوتی ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ سارے جوابات اعتراضات سے خالی نہیں ہیں۔

فصل:

کونسی احادیث احکام میں قابل حجت ہیں

حدیث صحیح:

(چاہے صحیح لذاتہ ہو یا صحیح لغیرہ) کے ساتھ احکام شرعیہ میں احتجاج متفق علیہ ہے۔ اسی طرح حسن لذاتہ کے ساتھ بھی احتجاج واستدلال متفق علیہ ہے بلکہ احتجاج کے سلسلہ میں حدیث حسن لذاتہ حدیث صحیح کے ساتھ ملحق ہے اگر چہ مرتبہ میں کم ہے، اور وہ حدیث ضعیف جو تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے اس سے بھی احتجاج واستدلال متفق علیہ ہے۔

فائدہ: اور یہ جو مشہور ہو چکا ہے کہ حدیث ضعیف صرف فضائل اعمال (۱) میں معتبر

(۱) فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کے معتبر ہونے کو جن علماء نے تسلیم کیا ہے بلکہ اپنی اپنی کتب میں اس چیز کو بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے مختصراً ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱) امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ۔

۲) ابن سید الناس رحمہ اللہ نے عیون الاثر میں اسکی تصریح کی ہے۔

۳) الحظ الاوفر میں حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

۴) رسالۃ التعظیم والمنۃ میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

۵) القول البدیع میں امام سخاوی رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے بلکہ اپنی کتاب فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں بھی تصریح کی ہے۔

۶) علامہ زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے بھی اپنے الفیۃ میں تصریح کی ہے۔

۷) حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التقریب اور کتاب الاذکار میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

۸) شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

۹) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے جابجا تصریح کی ہے۔

۱۰) علامہ محقق علی الاطلاق ابن الھمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر شرح ھدایہ اور تحریر الاصول مین جابجا تصریح کی ہے "تلك عشرة كاملة"

ہے تو اس سے مراد وہ حدیث ضعیف ہے جو ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غریب ہو (یعنی صرف ایک طرق سے مروی ہو) وہ حدیث ضعیف مراد نہیں جو تعدد طرق سے مروی ہو کیونکہ جو حدیث ضعیف تعدد طرق سے مروی ہو اب وہ حدیث ضعیف میں داخل نہیں ہے بلکہ حسن (لغیرہ) میں داخل ہے (لہٰذا اب ایسی حدیث ضعیف نہ یہ کہ صرف فضائل میں معتبر ہے بلکہ احکام میں بھی معتبر ہے) آئمہ کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے۔

اور بعض محدثین فرماتے ہیں اگر حدیث ضعیف کا ضعف راوی کے سوء حفظ ہونے کی وجہ سے ہو یا راوی کے مختلط ہونے کی وجہ سے ہو یا تدلیس کیوجہ سے ہو تو تعدد طرق کے ساتھ ایسی حدیث کی کمی پوری کر دی جائے گی (اور وہ حدیث حسن لغیرہ بن جائے گی) لیکن شرط یہ ہے کہ راوی میں صدق و دیانت موجود ہو اور اگر حدیث ضعیف کا ضعف اتہام کذب (راوی پر جھوٹ کی تہمت) کی وجہ سے ہو یا شذوذ (ثقات راویوں کی مخالفت) کی وجہ سے ہو یا فحش خطا (راوی کی غلطیوں کا درستگیوں سے زیادہ ہونا) کی وجہ سے ہو تو تعدد طرق کے ساتھ ایسی حدیث کی کمی پوری نہیں ہو سکتی اور حدیث پر ضعیف کا حکم لگایا جائے گا اور وہ فضائل اعمال میں معتبر ہو گی احکام میں نہیں (۱)

اعتراض: ایک حدیث پہلے ضعیف ہے اور دوسری حدیث ضعیف کے مل جانے سے پہلی حدیث کو تقویت کیسے ملے گی کیونکہ لحوق ضعیف بالضعیف مفید قوۃ نہیں بلکہ زیادہ ضعیف کا باعث ہے۔

جواب: لحوق ضعیف بالضعیف مفید قوۃ نہیں اس سے مراد وہ ضعیف ہے جس کا تعلق ہماری بیان کردہ قسم ثانی سے ہو یعنی حدیث ضعیف کا ضعف اتہام کذب یا شذوذ یا فحش

---

(۱) جیسے حدیث پاک ہے من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً ---- الخ

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حفاظ حدیث اس حدیث کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں باوجودیکہ یہ کثرۃ طرق سے مروی ہے لیکن کثرۃ طرق سے یہ حدیث درجہ مردود سے درجہ مقبول کو پہنچ چکی ہے اور فضائل میں معتبر ہو گئی ہے۔

خطاء کی وجہ سے ہو ایسی حدیث کی کمی تعدد طرق سے پوری نہیں ہو گی ہمارا بھی یہی موقف ہے۔

لیکن اگر اس کا تعلق قسم اول یعنی سوء حفظ یا اختلاط و تدلیس وغیرہ کے ساتھ ہو تو ایسی حدیث ضعیف اپنی جیسی حدیث ضعیف کے ساتھ مل جائے تو وہ مفید قوۃ ہے (یا اس سے مراد وہ حدیث ضعیف ہے جو ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غریب بھی ہو کوئی اور طرق سے بالکل مروی نہ ہو) وگرنہ اس قول (کہ لحوق الضعیف بالضعیف مفید قوۃ نہیں بلکہ زیادہ ضعف کا باعث ہے) کا بطلان و فساد بالکل ظاہر ہے (کیونکہ مجموع کے لیے وہ قوۃ ہے جو واحد کے لیے نہیں)۔ فتدبر احسن التدبر

فصل:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں آپ کو تفصیلاً معلوم ہو چکا ہے کہ حدیث صحیح کے مراتب میں تفاوت ہے۔

صحیح احادیث بعض بعض سے اصح ہیں اب یہ بھی جان لو کہ جمہور محدثین کے نزدیک جو فیصلہ پختہ اور متقرر ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ علم حدیث میں جتنی بھی کتب تصنیف کی گئی ہیں صحیح بخاری ان سب پر مقدم ہے محدثین نے تو یہاں تک کہا ہے ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری '' کہ اللہ رب العزت کی کتاب لاریب کے بعد سب کتابوں سے صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے (۱) جبکہ بعض مغربی محدثین (مثلاً ابو علی نیشاپوری وغیرہ) نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے جمہور ان مغربیوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہارا یہ قول احادیث کے درمیان حسن سیاق اور عمدہ تدوین و ترتیب اور اسانید میں دقیق اشارات (۲) اور خوبصورت نکات کے رعایت کے لحاظ سے ہے مگر ایسی ترجیح خارج از بحث ہے کیونکہ گفتگو تو صحت اور قوۃ اور دیگر شرائط معتبرہ میں ہے اور اس لحاظ سے کوئی حدیث کی کتاب صحیح بخاری کے مساوی نہیں ہے اور قول حق بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کا مقام و مرتبہ ہے اس کے بعد صحیح مسلم کا۔

---

(۱) اس پر سوال ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ما اعلم فی الارض کتاباً اکثر صواباً من کتاب مالک '' (ای الموطا)۔روئے زمین پر امام مالک کی کتاب (مؤطا) سے بڑھ کر صحیح ترین کتاب میرے علم میں نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول وجود صحیحین سے پہلے کا ہے اب جب یہ وجود میں آگئیں تو امت کا اس بات پر اتفاق و اتحاد ہو گیا ہے کہ تمام کتب حدیث سے بلند درجہ ان دو کا ہے۔

(۲) مثلاً امام مسلم رحمہ اللہ سب سے پہلے مجمل، مشکل، منسوخ، مبہم احادیث لے آتے ہیں پھر اسکے بعد مبیّن، معین، ناسخ، صحیح احادیث لے آتے ہیں۔

متفق علیہ حدیث:

وہ حدیث ہے جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہو۔

شیخ (اس سے مراد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ مقدمہ شرح سفر السعادۃ میں مصنف نے اور فتح المغیث میں علامہ سخاوی نے تنصیص وتصریح کی ہے) فرماتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ وہ ایک ہی صحابی سے مروی ہوں مشائخ حدیث فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم کی متفق علیہ احادیث کی مجموعی تعداد دو ہزار تین سو چھبیس ہے۔

حدیث کی قوت وصحت کا معیار:

(۱) قوت وصحت میں سب سے اعلی درجہ کی وہ احادیث ہیں جو بخاری ومسلم دونوں کی متفق علیہ ہیں۔

(۲) پھر وہ احادیث جو صرف بخاری میں ہیں۔

(۳) پھر وہ احادیث جو صرف مسلم میں ہیں۔

(۴) پھر وہ احادیث جو بخاری ومسلم دونوں کی شرط پر ہوں۔

(۵) پھر وہ احادیث جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں۔

(۶) پھر وہ احادیث جو صرف امام مسلم کی شرط پر ہوں۔

(۷) پھر وہ احادیث جو شیخین (بخاری ومسلم) کے علاوہ آئمہ محدثین نے روایت کی ہوں، اور انہوں نے صحت کا التزام کیا ہو (مثلاً صحیح ابن خزیمہ ابن الجارود موطا امام مالک مسند ابوعوانہ وغیرہ) یا صحت کا التزام تو نہ کیا ہو مگر کسی حدیث کی تصحیح کی ہو یوں حدیث کی قوۃ وصحۃ کے اعتبار سے سات اقسام بنتی ہیں۔

شیخین کی شرائط:(۱)

بخاری ومسلم کی شرائط سے مراد یہ ہے کہ وہ راوی ان صفات کے ساتھ متصف

---

(۱) یادرہے ان شرائط کی تصریح شیخین میں سے کسی نے بھی نہیں کی جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے بالجزم کہا ہے بلکہ یہ شرائط ان کی کتب سے اخذ کی گئی ہیں۔

ہوں جو بخاری و مسلم کے راویوں میں صفت ضبط عدالت اور سند میں عدم شذوذ و نکارت وعدم غفلت والی صفات پائی جائیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے (یہی قول امام نووی، ابن الصلاح، ابن دقیق العید، ذھبی، حاکم، رحمہم اللہ کا ہے) کہ بخاری و مسلم کی شرط سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے بعینہ راوی وہی ہوں جن سے امام بخاری وامام مسلم نے احادیث لی ہیں۔

شرط شیخین سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں بڑا طویل کلام ہے۔

شرح سفر السعادۃ (۱) کے مقدمہ میں (۲) ہم نے (مصنف رحمہ اللہ) بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

---

(۱) مصنف علامہ شیخ المسند برکۃ الرسول فی الہند الشاہ عبدالحق محدث دھلویؒ کی شرح ہے فارسی زبان میں شرح لکھی ہے مصنف نے بہت ہی تفصیل سے اپنی اس کتاب میں ہر قسم کی بحث کی ہے علامہ عبدالعزیز پرحاروی رحمہ اللہ اپنی کتاب الناھیہ عن طعن امیر معاویہ میں فرماتے ہیں: شیخ محقق رحمہ اللہ نے اس کتاب میں جا بجا مصنف پر تعقبات فرمائے ہیں اور مسلک حق اہل سنت احناف کو خوب واضح کیا ہے۔

قابل مطالعہ کتاب ہے اور مکتبہ دارالنور لاہور سے چھپ چکی ہے، مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ راحت قلبی نصیب ہوگی۔

(۲) سفر السعادت کے مصنف امام اللغویین اعجوبہ زمانہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی حنفی صاحب القاموس المحیط المتوفی 817 ھ بہت بڑے امام، محدث اور فقیہ ہیں۔ بلند پایہ لغت کے امام بھی تھے۔

آپ کی یہ کتاب سفر السعادۃ عربی میں ہے بیروت لبنان سے طبع ہو چکی ہے۔ بحمد اللہ دونوں کتابیں متن اور شرح راقم کے پاس موجود ہیں۔

فصل:

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ تمام احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منحصر نہیں ہیں (یعنی ساری احادیث صحیحہ ان میں نہیں ہیں بلکہ بہت ساری احادیث صحیحہ ان سے چھوٹ گئی ہیں) اور نہ ہی ان دونوں نے ساری احادیث صحیحہ کا استیعاب کر لیا ہے یوں کہ کوئی حدیث بھی ان سے نہ رہ گئی ہو بلکہ یہ دونوں صحیح احادیث میں منحصر ہیں (یعنی ان میں جو احادیث ہیں، وہ سب صحیح ہیں) اور وہ احادیث جو شیخین کے نزدیک بالکل صحیح تھیں اور ان دونوں کی شرطوں پر بھی پوری اترتی تھیں ان احادیث کو بھی ان دونوں نے اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا چہ جائے کہ ان احادیث کا بھی احاطہ کرتے جو دیگر آئمہ محدثین کے نزدیک صحیح تھیں اس پر دلیل شیخین کا اپنا قول ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ما اوردت فی کتابی هذا الا ما صح ولقد ترکت کثیرا من الصحاح"

ترجمہ: میں نے اپنی اس کتاب (صحیح بخاری) میں جو بھی احادیث ذکر کی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بے شک بہت ساری صحیح احادیث میں نے ترک بھی کر دی ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں الذی اوردت فی هذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف۔

ترجمہ: میں نے جو احادیث اس کتاب (صحیح مسلم) میں ذکر کی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں نے احادیث ترک کر دی ہیں وہ ضعیف ہیں۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے قول میں ترک و اتیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

ترک واتیان کی ضرور کوئی وجہ تھی یا تو عدم صحت کی وجہ سے ایسا ہوا ہے یا پھر کچھ اور مقاصد پیش نظر تھے۔ واللہ اعلم۔

امام ابوعبداللہ حاکم نیشا پوری رحمہ اللہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے "المستدرك على الصحيحين"۔

انہوں نے اپنی اس کتاب میں وہ صحیح احادیث جمع کی ہیں جن کو امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں درج کرنے سے ترک کر دی تھیں اور حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں انکی تلافی کی ہے اور اپنی کتاب میں ایسی صحیح احادیث کا اندراج کیا ہے جو کچھ تو شیخین میں سے دونوں کی شرطوں پر پوری اترتی تھیں اور کچھ ان میں سے کسی ایک کی شرط پر پوری اترتی تھیں نیز حاکم نے اپنی کتاب میں ان احادیث کا بھی اندراج کیا ہے جو شیخین کی شرط کے علاوہ دیگر محدثین (مثلاً خود حاکم) کی شرط پر پورا اترتی تھیں۔
مستدرک کے خطبہ میں حاکم فرماتے ہیں۔

ان البخاری و مسلماً لم یحکما بانه لیس احادیث صحیحة غیر ما خرجاه فی هذین الکتابین و قد حدث فی عصرنا هذا فرقة من المتبدعة اطالوا السنتهم بالطعن علی آئمة الدین بان مجموع ما صح عندکم من الاحادیث لم یبلغ زهاء عشرة الاف ـــ اه

ترجمہ: بے شک امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ایسا کہیں نہیں کہا کہ انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جن احادیث صحیحہ کی تخریج کی ہے ان کے علاوہ جو احادیث ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

اور ہمارے زمانے میں ایک ایسا بدعتی فرقہ پیدا ہوا ہے جو آئمہ دین پر طعن کے ساتھ زبان درازی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہاری احادیث صحیحہ کی مجموعی تعداد تقریباً دس

ہزار(10,000)کو بھی نہیں پہنچتی (اس لیے میں نے استخارہ کر کے یہ کتاب ان کے رد میں لکھی ہے)۔

(شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں)

ونقل عن الامام البخاری انه قال حفظت من الصحاح مائة الف حدیث و غیر الصحاح مائتی الف۔

ترجمہ: حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں اور ظاہر ہے امام بخاری کی صحیح سے وہ احادیث مراد ہیں جو ان کی شرائط پر صحیح ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں احادیث کی تعداد۔

بخاری شریف میں احادیث کی تعداد مکررات (یعنی وہ احادیث جن کا ذکر تکرار کے ساتھ ہوا ہے) سمیت سات ہزار دو سو پچھتر (7275) ہے اگر گنتی میں مکررات کا حساب نہ لگایا جائے تو احادیث کی تعداد چار ہزار (4000) رہ جاتی ہے۔

اور بے شک بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر آئمہ محدثین نے بھی صرف احادیث صحیحہ میں کتب تصنیف کی ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں

﴿صحیح ابن خزیمہ﴾(۱)

مثلاً صحیح ابن خزیمہ "امام ابن خزیمہ(۲) کو امام الائمہ کہا جاتا ہے اور یہ

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ بہت ہی عمدہ کتاب ہے محدثین فرماتے ہیں صحیح ابن خزیمہ صحت میں صحیح مسلم کے قریب ہے صحیح ابن حبان سے اس کا مرتبہ بلند ہے ۔بڑی جانفشانی اور تحری کے ساتھ مصنف نے یہ کتاب تصنیف کی ہے بحمد اللہ مطبوعہ ہے۔

(۲) حافظ حجۃ الاسلام شیخ الاسلام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ ان کے بارے میں تعریفی کلمات مصنف نے شاندار طریقے سے خود نقل فرمائے ہیں۔ 311ھ میں آپکا وصال ہوا۔

ابن حبان کے استاذ بھی ہیں ۔

جیسا کہ خود ابن حبان ان کی مدح میں رطب اللسان ہیں ۔

ما رایت علی وجه الارض احداً احسن فی صناعة السنن و احفظ لالفاظ الصحیحةمنه کان السنن و الاحادیث نصب عینیه۔

ترجمہ: میں نے صناعۃ سنن میں احسن اور احادیث صحیحہ کا حافظ ابن خزیمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، یوں لگتا تھا جیسے سنن اور تمام احادیث ان کے پیش نظر اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

صحیح ابن حبان (۱)

اور اسی طرح صحیح ابن حبان بھی (احسن کتاب) ہے۔اور امام ابن حبان (۲) ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں۔ثقہ ثبت امام فہام ہیں۔حاکم کہتے ہیں۔

کان من اوعیة العلم و اللغة و الحدیث و الوعظ و کان من عقلاء الرجال:

(۱) صحیح ابن حبان کو محدثین نے مستدرک حاکم سے احسن کہا ہے بڑی عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے بیروت سے بمع تخریج چھپ چکی ہے۔

(۲) حافظ ثقہ، حجۃ حدیث وفقہ ولغۃ کے امام حتی کہ طب، نجوم اور کلام کے بھی امام تھے کئی کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً کتاب الثقات، کتاب المجروحین، صحیح ابن حبان وغیرہ 354ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

یاد رہے ابن حبان توثیق و تجریح میں تساہل کرتے ہیں۔جیسا کہ امام ذہبی علامہ ابن حجر العسقلانی وغیرہ علماء ومحدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے لہذا ان کی جرح امام ابوحنیفہ اور آپکے صاحبین پر مردود رہے کیونکہ جمہور محدثین نے انکی توثیق کی ہے اور جمہور کی توثیق کے مقابلے میں ابن حبان کی جرح مردود رہے۔

ترجمہ: ابن حبان علم ولغت، حدیث و وعظ کا خزینہ تھے اور مردان عقلاء میں سے تھے۔

مستدرک للحاکم (۱)

اور اسی طرح حافظ ثقہ حاکم ابو عبداللہ نیشا پوری رحمہ اللہ (۲) کی "صحیح" بھی ہے جس کا نام ہے المستدرك على الصحيحين اور حاکم اپنی اس کتاب میں (اسانید کی صحۃ وضعف کے اعتبار سے) تساہل سے کام لیتے ہیں اس لیے علماء ومحدثین نے ان پر بڑی سخت گرفت کی ہے اور انہوں نے کہا ہے (اس قول کے قائل امام حازمی ہیں) کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان حاکم سے زیادہ قوی ہیں اور اونچا مقام رکھتے ہیں اور اسانید و متون لے آنے میں بھی یہ دونوں حاکم سے احسن اور الطف ہیں۔

---

(۱) مستدرک: حاکم نے اس کتاب میں بہت عمدہ طریقے سے احادیث جمع کی ہیں مگر ان پر صحۃ کا حکم لگانے میں تساھل کیا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حاکم سے تساھل اس لیے واقع ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے جب اصل مسودہ تیار کر لیا تھا پھر اسکی مکمل طور پر کانٹ چھانٹ نہ کر سکے حتی کہ وصال ہو گیا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کیونکہ میں نے خود مستدرک کے چھ جزؤں میں سے دوسری جزء کے نصف میں دیکھا ہے وہاں لکھا ہے "انتھی الیٰ ھٰھنا املاء الحاکم" کہ یہاں تک حاکم کی املاء کا اختتام ہو گیا ہے۔ اللہ رب العزت جزاء عطا فرمائے حافظ ذھبی رحمہ اللہ کو انہوں نے مستدرک کی تلخیص کی اور اس تلخیص میں بیان کر دیا ہے کونسی حدیث صحیح ہے کونسی ضعیف ہے کونسی موضوع ہے علماء فرماتے ہیں لا تعمد علی تصحیح الحاکم الا بعد تصویب الذھبی یعنی حاکم کی تصحیح پر بغیر ذھبی کی تصویب کے اعتماد نہ کیا جائے۔

(۲) حافظ کبیر امام المحدثین محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الضبی بہت بلند پایہ محدث تھے امام بیہقی اور خطیب بغدادی کے استاذ ہیں بلکہ بیہقی کی اکثر احادیث میں یہی انکے شیخ ہیں یاد رہے انکو حاکم اصطلاحی معنے کے اعتبار سے نہیں کہا جاتا بلکہ معنی لغوی بمعنی قاضی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ 405ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

المختارۃ:

اور ان کتابوں میں سے ایک کتاب حافظ ضیاالدین مقدسی (۱) کی بھی ہے جس کا نام ''المختارۃ'' ہے۔انہوں نے بھی اس کتاب میں وہ صحیح احادیث تخریج کی ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں اور محدثین نے کہا ہے (اس قول کے قائل حافظ ابن کثیر دمشقی ہیں) کہ مقدسی کی کتاب ''المختارۃ'' حاکم کی مستدرک سے احسن ہے اسی طرح ان کے علاوہ اور کتب ہیں جن میں احادیث صحیحہ کا التزام کیا گیا ہے مثلاً صحیح ابوعوانہ (۲)۔صحیح ابن السکن (۳)۔المنتقی لابن الجارور (۴) یہ سب کتابیں احادیث صحیحہ کے ساتھ مختص ہیں۔

لیکن محدثین کی ایک جماعت نے ان پر (یعنی ان کتابوں پر) تنقید کی ہے یا تعصب کرتے ہوئے یا انصاف کرتے ہوئے (اور ان کو تنقید کا حق بھی ہے اگر بجانب انصاف ہو) کیونکہ رب ذوالجلال کا فرمان ہے ''وفوق کل ذی علم علیم'' ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے۔

---

(۱) حافظ کبیر ضیاء الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد بن احمد السعدی المقدسی الحسنی اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث ہیں حافظ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مقدسی نے 90 اجزاء لکھی تھیں مکمل نہیں کر سکے حتیٰ کہ وصال ہو گیا 643ھ میں آپکا وصال ہوا۔

(۲) حافظ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی 316ھ میں آپکا وصال ہوا آپکی یہ کتاب مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم ہی کی اسانید وارد کی ہیں اور ساتھ نئی اسانید کا اضافہ بھی کیا ہے اور اس میں وہ صحیح احادیث بھی ذکر کی ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں اس لیے اس لحاظ سے یہ کتاب مستقل کتاب بن گئی ہے وگرنہ حقیقت میں یہ صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی المنتقی کے نام سے تلخیص بھی لکھی ہے۔

(۳) امام حافظ الحدیث ابوعلی سعید بن عثمان بن سکن البغدادی 353ھ میں آپکا وصال ہوا آپکی کتاب صحیح ابن سکن کا اصل نام صحیح المنتقی ہے یہ کتاب عرصہ دراز سے نایاب ہے۔

(۴) ابومحمد عبداللہ بن علی بن جارود امام زمانہ حافظ حدیث تھے 307ھ میں آپکا وصال ہوا۔ انکی کتاب المنتقی اصل میں صحیح ابن خزیمہ پر مستخرج ہے۔

فصل

صحاح ستہ کا بیان

اسلام میں جو احادیث کی مشہور چھ (6) کتابیں ہیں ان کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری (۱)　　۲۔ صحیح مسلم (۲)　　۳۔ جامع ترمذی (۳)

۴۔ سنن ابوداود (۴)　۵۔ سنن نسائی (۵)　۶۔ سنن ابن ماجہ (۶)

اور بعض حضرات کے نزدیک سنن ابن ماجہ کی جگہ مؤطا امام مالک (۷) ہے۔

صاحب جامع الاصول علامہ ابن الاثیر نے بھی اپنی کتاب جامع الاصول میں سنن ابن ماجہ کی بجائے مؤطا کو اختیار کیا ہے۔

---

(۱)　اس کتاب مع مصنف کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

(۲)　اس کے مصنف امام محدث مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ ہیں، 261ھ میں آپ کا وصال ہوا، صحاح ستہ میں دوسرے نمبر پر صحیح مسلم کا مقام ہے۔

(۳)　اس کتاب مع مصنف کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

(۴)　اس کے مصنف امام ابوداود سلیمان بن اشعث بجستانی رحمہ اللہ ہیں۔ 275ھ آپ کا وصال ہوا، آپ کی کتاب کے بارے اس کتاب کے شارح علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کتاب شریف لم یصنف فی علم الدین مثلہ یعنی یہ عظیم کتاب ہے علم دین میں اس جیسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

(۵)　303ھ آپ کا وصال ہوا، کتاب کا اصلی نام المجتبیٰ یا ''المجتنیٰ'' ہے، امام نسائی نے اس کو اپنی کتاب السنن الکبریٰ سے منتخب کر کے لکھا ہے۔

(۶)　273ھ میں آپ کا وصال ہوا، سنن ابن ماجہ میں ضعیف احادیث بکثرت موجود ہیں بلکہ موضوع احادیث بھی ہیں۔

(۷)　ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ''فلا نعید''۔

سوال: صحیحین کے علاوہ صحاح ستہ کی باقی چار کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف تینوں قسموں کی احادیث موجود ہیں پھر ان کو صحیح کہنا کیسے درست ہوگا؟ حالانکہ ان میں احادیث ضعیفہ بھی موجود ہیں۔

جواب: تغلیب کے طور پر ان کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے (یعنی صحیح احادیث ان میں زیادہ ہیں بنسبت ضعیف احادیث کے اس لیے اکثر کا اعتبار کر کے ان کو صحاح ستہ کہا گیا ہے) صاحب المصابیح امام بغوی رحمہ اللہ مصابیح السنۃ میں غیر شیخین کی احادیث کو حسان کہتے ہیں۔ ان کی یہ اصطلاح اس وجہ کے قریب قریب ہے اور معنی لغوی کے بھی قریب ہے، یا پھر ان کی اپنی طرف سے نئی اصطلاح ہے۔

بعض محدثین (حافظ صلاح الدین العلائی اور حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں امام دارمی رحمہ اللہ (۱) کی سنن کو چھٹے نمبر پر شمار کرنا زیادہ مناسب ہے کئی وجوہ سے۔

اولاً:

اس کے ضعیف راوی بہت کم ہیں۔

ثانیاً:

اس میں منکر اور شاذ روایات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ثالثاً:

اسکی اسانید عالی (۲) ہیں۔

---

(۱) امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی صاحب السنن 255ھ میں آپکا وصال ہوا آپکے وصال پر امام بخاری روتے رہے۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں آپکی سنن دارمی بہت عظیم کتاب ہے کوئی فقیہ اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

(۱) اسانید عالی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ راوی اور نبی ﷺ کے درمیان واسطے کم ہوں۔

وفیہ تفصیل ازید بسطہ الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فی شرح النخبۃ۔

رابعاً:

اسکی ثلاثیات (۱) کی تعداد صحیح بخاری کی ثلاثیات سے زیادہ ہیں۔

بہر حال مذکورہ بالا کتب حدیث بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی مشہور کتب ہیں (۲)

حضرت امام شیخ جلال الدین (۳) سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں بہت ساری ایسی کتب احادیث کا ذکر کیا ہے، جن کی تعداد پچاس (50) سے بھی زیادہ ہے اور وہ صحیح، حسن، ضعیف احادیث پر مشتمل ہیں۔

اور امام سیوطی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جو موضوع ہو اور محدثین نے اسے متفقہ طور پر متروک و مردود قرار دیا ہو۔

صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب مشکوۃ المصابیح کے مقدمہ میں جن آئمہ متقنین کا ذکر کیا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں امام بخاری۔امام مسلم۔امام مالک۔امام شافعی۔امام احمد بن حنبل۔امام ترمذی۔ابوداود۔نسائی۔ابن ماجہ دارمی۔دار قطنی۔بیھقی ان کے علاوہ دیگر محدثین کا ذکر اجمالاً کیا ہے ہم نے ان آئمہ کرام کے احوال ایک الگ مستقل کتاب میں لکھے ہیں (اور وہ مشکوۃ شریف کے آخر میں ملحق ہیں) اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے ابتداء وانتہاء میں۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

﴿تمت﴾

30 صفر المظفر 1434ھ بروز اتوار

بوقت صبح 7:33۔2013۔1۔13

---

(۱) راوی اور نبی ﷺ کے درمیان تین واسطہ ہوں یاد رہے بخاری کی ثلاثیات 22 ہیں۔

(۲) مثلاً مسند امام احمد بن حنبل، مسند طیالسی سنن دار قطنی مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق مسند بزار معجم کبیر معجم اوسط معجم صغیر للطبرانی السنن الکبریٰ للبیھقی وغیرہ۔

(۳) مجدد وقت امام ابو الفضل جلال الدین عبدالرحمن بن کمال الدین السیوطی صاحب التصانیف الکثیرۃ آپکی تصانیف 500 سے زائد ہیں آپکو 74 مرتبہ بیداری میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی ہے کتابیں لکھ لکھ کر آخر عمر بڑھاپے میں آپکا دایاں ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ 911ھ میں آپکا وصال ہوا" رحمہ اللہ۔

خوشخبری

ہماری دوسری برانچ

مکتبہ اہلسنت

دوکان نمبر 3 بیسمنٹ مکہ سنٹرز دلوئر مال تھانہ لاہور

مکتبہ اہلسنت

دوکان نمبر 3 بیسمنٹ مکہ سنٹرز دلوئر مال تھانہ لاہور

0345-2011235,0300-6346344